دریائے لطافت
انشاء اللہ خاں انشاء

اردو لسانیات پر سب سے پہلی اور بنیادی تصنیف ۔۔۔!

دریائے لطافت

دریائے لطافت

مصنف : سید انشاء اللہ خاں انشاء
مرتب : ڈاکٹر مولوی عبدالحق
مترجم : عبدالرؤف عروج

ناشران

آفتاب اکیڈمی

اردو بازار۔ موہن روڈ۔ کراچی ۱ فون (۷۱،۱۵)

"دریائے لطافت" سیدانشاء اللہ خاں انشاء اور مرزا محمد احسن قتیل نے مل کر لکھا ہے۔ قتیل نے جو کچھ لکھا ہے، اس کی بے مقصد حیثیت اور بڑی حد تک اضافی تھی۔ اس لئے میں نے صرف انشاء کے لکھے ہوئے حصوں ہی کا ترجمہ کیا ہے، سچ تو یہی ہے کہ یہی حصے اہم اور کارآمد ہیں!

— مترجم

بار اوّل ۱۹۶۲ء

قیمت

دو روپے پچیس پیسے

باہتمام

نصیر احمد کرمانی

فہرست

اردو کیا ہے:

حروف تہجی:

مختلف فرقے اور محلے:

فصاحت:

بعض خواص:

فصیح :

میر اور سودا، شعر کی سند، کشمیری پھیری والے، دہلی کا شرف، لکھنؤ کی فصاحت، اردو کی سند، عماد الملک کی تقریر، بھاٹرا مل کی گفتگو، صدرالدین حنانی کا سوال، لالہ لکھمت پرشاد واستوا کا جواب، مرزا کاظم اصفہانی کی زبان، مولوی عبدالغفران کا خطبہ، میں اور ملا حیدر علی۔ علم فضل اور شاعری۔

عورتوں کی زبان :

براتی بیگم، موتی خانم، کرم الرحمن کی کنیز، بی نورن کسبی۔

کچھ اور :

شاگرد تفضل حسین خاں، خدمت گار بادام سنگھ، موازنہ دہلی اور لکھنؤ، گنوار واجدہ درد، مغل پورہ محلہ سادات بارہہ، اردو اور دہلوی، معیار زبان، مرشد آباد میں اہل دہلی، بانکے، لکھنؤ کے قضیئے۔

روزمرہ اور محاورے :

دہلی کے محاورے، دہلی کے محلے، شہروں کی زبان۔

رنگین اور ریختی :

ریختی، زنانہ محاورے، میرا فسانہ۔

حرف آخر :

اختتامیہ مترجم۔

مقدّمہ

انشا کی شخصیت حد درجہ متنوع اور دلکش تھی۔ وہ ایک ایسی بے چین اور سیمابی طبیعت لے کر آئے تھے جس میں بلا کی طبّاعی، طرّاری اور شوخی بھری ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کا پیشہ اختیار کرنے کی بجائے شاعری کو اپنی جولاں گاہ بنایا۔ انشا کے آباؤ اجداد کا مولد سمرقند تھا۔ انہوں نے دلّی آکر شاہی طبابت اختیار کی تھی۔ جب دلّی کے حکمرانوں میں اتنا دم نہیں رہا کہ وہ اہلِ کمال کی سرپرستی کریں تو حکیم ماشاء اللہ خاں نے عافیت اسی میں دیکھی کہ مرشد آباد چلے جائیں۔ جن دنوں حکیم ماشاء اللہ خاں مرشد آباد پہنچے وہاں کے نوابوں کی ہنر پروری کا شہرہ بلند ہو رہا تھا۔ دلّی اور آگرہ کے مختلف ماہرین فنون ان کی جانب برابر کھنچے چلے آرہے تھے۔

جب دلّی کی تباہی، اس کے حدود سے نکل کر دوسرے شہروں میں بھی عام ہوگئی تو حکیم ماشاء اللہ خاں کو پھر ایک بار دلّی کی طرف مڑکر دیکھنا پڑا۔ چنانچہ انشا نے مختلف علوم متداولہ دلّی ہی میں تحصیل کئے۔ اور یہیں ان کی شاعرانہ صلاحیتوں نے پرورش پائی۔

انشا غضب کے چلبلے اور ہنسوڑ آدمی تھے۔ اس پر ان کی علمیت اور ذہانت طرفہ قیامت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں بہت جلد شاہ عالم کے دربار میں جگہ مل گئی۔ انہوں نے ایک طرف دربار شاہی کو اپنی بذلہ سنجیوں سے گل و گلزار کر دیا دوسری طرف ان کی ظرافت بڑے بڑے اساتذہ کی عظمت کا چراغ گل کرنے لگی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حکیم ثناء اللہ فراق، حکیم قدرت اللہ قاسم، شاہ ہدایت، میاں شکیب، میاں عظیم بیگ، قمرالدین منت، شیخ ولی اللہ محب کی شاعری کا طوطی دلی میں بول رہا تھا۔ اس کے باوجود انشا نے ان سب سے ٹکر لی۔ بڑے بڑے معرکے سر کئے۔ یہ سب کے سب اپنی بزرگی پر نازاں تھے۔ ان کو موروثی قدامت سے پیار تھا۔ نتیجہ میں ان سب کو انشار کی ذہانت اور طباعی کے سامنے سپر ڈالنی پڑی۔

شاہ عالم کی بادشاہت کہنے کو نام کو تھی۔ انگریزوں کے وظیفہ پر ان کی زندگی رو پیٹ کر کٹ رہی تھی۔ وہ اپنی طبیعت میں رحم دل، نیک اور فیاض ضرور تھے۔ لیکن ان کو حالات اس قابل نہیں رکھا تھا کہ وہ باکمال لوگوں کی اپنے پیشروؤں کی طرح سرپرستی کر سکیں۔ نتیجہ میں انشا نے لکھنؤ کا سفر کیا۔ انشا کے لکھنؤ پہنچنے سے پہلے ان کی شاعری، ذہانت اور طباعی کی داستان وہاں پہنچ گئی تھی۔ نواب سعادت علیخاں کنجوس تھے، ان کو سیاسی انتشار اور پراگندگی نے اس قابل نہیں رکھا تھا کہ وہ علم و ادب کی طرف متوجہ ہوں۔ اس کے باوجود انہوں نے نہ صرف انشا کی قدردانی کی، بلکہ ان کو اپنا مصاحب بھی بنالیا۔

محمد حسین آزاد کی داستان طرازی نے آب حیات میں صد ہا گل بوٹے کھلائے ہیں، انہوں نے انشا پر قلم اٹھایا تو یہ شگوفہ بھی چھوڑ دیا کہ ان کی شاعری کو نواب

شجاعت علی خاں کی مصاحبت نے ڈبو دیا۔ چنانچہ محمد حسین آزاد کے تتبع میں ہر محقق اور تنقید نگار نے انشاء کے متعلق یہی رائے قائم کی ہے۔ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہ صحیح ہے کہ انشاء کے کلام میں سنجیدگی اور متانت کا حصہ بہت کم ہے۔ اس کے باوجود وہ اکثر جگہ سودا اور بیشتر صاحب طرز اساتذہ سے آنکھ لڑاتے معلوم دیتے ہیں۔

انشاء کی متعدد تصانیف ان کی اہمیت منوانے کے لئے کافی ہیں۔ اگر ہم انہیں کسی باعث نظر انداز بھی کر دیں تو ان کا یہ کارنامہ بہر طور زندہ رہے گا کہ انہوں نے اردو کی قواعد پر "دریائے لطافت" جیسی اہم کتاب لکھی۔ اس میں صرف نحو، منطق، عروض قافیہ، معانی و بیان سب کو موضوع بنایا گیا ہے۔

مولوی عبدالحق نے ۱۹۱۶ء میں "دریائے لطافت" کا فارسی نسخہ شائع کیا تھا تو دیباچہ میں بڑی جامع اور مکمل بحث کی تھی۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں اسے نقل کر دیں۔

"سید انشاء اللہ کی سب سے بڑی یادگار اور قابل قدر تصنیف "دریائے لطافت" ہے۔ اس میں اُردو صرف و نحو، منطق، عروض و قافیہ، معانی و بیان وغیرہ کا ذکر ہے۔ پہلا حصہ یعنی اُردو صرف و نحو تو سید انشاء اللہ کی تصنیف ہے اور دوسرا حصہ یعنی منطق، عروض و قافیہ و معانی و بیان مرزا محمد حسن قتیل کا تالیف کیا ہوا ہے۔ کتاب کی جان پہلا ہی حصہ ہے۔ اگرچہ اس سے قبل بعض اہل یورپ نے متعدد کتابیں اُردو قواعد پر لکھی تھیں، لیکن یہ پہلی کتاب ہے جو ایک

ہندی اہلِ زبان نے اُردو صرف و نحو پر لکھی ہے اور حق یہ ہے کہ عجیب جامع اور بے مثل کتاب ہے۔ اُردو زبان کے قواعد، محاورات اور روزمرہ کے متعلق اس سے پہلے کوئی ایسی مستند اور محققانہ کتاب نہیں لکھی گئی تھی اور عجیب بات یہ ہے کہ اس کے بعد بھی کوئی کتاب اس پایہ کی نہیں لکھی گئی۔ جو لوگ اُردو زبان کا محققانہ مطالعہ کرنا چاہتے ہیں یا اُس کی صرف و نحو یا لغت پر کوئی محققانہ تالیف کرنا چاہتے ہیں، اُن کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہی نہیں بلکہ ناگزیر ہے۔

سید انشاؔ پہلے شخص ہیں کہ جنہوں نے عربی فارسی زبان کا تتبع چھوڑ کر اردو زبان کی ہیئت و اصلیت پر غور کیا اور اس کے قواعد وضع کئے اور جہاں کہیں تتبع کیا بھی ہے تو وہاں بھی زبان کی حیثیت کو نہیں بھولے۔ علاوہ اس کے الفاظ و محاورات کی تحقیق، بیگمات کی زبان، اور اُن کے محاورات، مختلف الفاظ کے تلفظ، مختلف فرقوں کے میل جول سے زبان پر جو اثر پڑا، ان سب کو بڑے لطف سے ادا کیا ہے اور بعض بعض نکات ایسے بیان کئے ہیں جن کی قدر وہی کر سکتے ہیں جنہیں زبان کا ذوق ہے۔ صرف و نحو کے قواعد بھی بڑی سلاست سے اور جامعیت سے بیان کئے گئے ہیں اور حیرت ہوتی ہے کہ اس بارے میں جن جن باتوں کا انہوں نے خیال کیا ہے متاخرین کو بھی وہ نہیں سوجھیں۔ حالانکہ ایسا عمدہ نمونہ موجود تھا۔ اس سے سیّد انشاء اللہ خاں کے دماغ اور ذوقِ زبان کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ الفاظ کی فصاحت و غیر فصاحت و صحت و غیر صحت کے متعلق کتنی سچی رائے دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "ہر لفظ جو اُردو میں مشہور ہو گیا، عربی ہو یا فارسی، ترکی ہو یا سُریانی، پنجابی ہو یا پوربی، از روئے اصل

غلط ہو یا صحیح وہ لفظ اُردو کا لفظ ہے"۔ اگر اصل کے موافق مستعمل ہے تو بھی صحیح ہے۔ اور اگر خلاف اصل مستعمل ہے تو بھی صحیح ہے۔ اس کی صحت و غلطی اُردو کے استعمال پر موقوف ہے۔ کیونکہ جو کچھ خلافِ اُردو ہے غلط ہے، گو اصل میں وہ صحیح ہو اور جو کچھ موافق اُردو ہے صحیح ہے۔ گو اصل میں صحت نہ رکھتا ہو" اس اصول کو قائم کرنے کے بعد وہ بہت سے عربی الفاظ کو جو اُردو میں کچھ کے کچھ ہو گئے ہیں صحیح بتاتے ہیں۔ مثلاً سید انشا کی رائے میں بِرَقا صحیح اُردو کا لفظ ہے، گو وہ خلاف اصل ہے۔ یا وہ عُذَر کو بفتحِ وارِ دو کا صحیح لفظ خیال کرتے ہیں اگرچہ اصل میں بسکونِ دال ہے۔ یہ سُن کر بعض اصحاب جنھیں صحت لغت کا اسی قدر خیال رہتا ہے۔ جیسے ایک مومنِ متقی کو ادائے ارکانِ صلوٰۃ کا۔ اور خصوصاً ثقات لکھنؤ بہت جز بز ہوں گے لیکن جو لوگ اصولِ لسان سے واقف ہیں وہ سید انشا کی وسعت نظر اور اصابت رائے کی داد دیں گے۔ فرق یہ ہے کہ سید انشا اردو کو ایک جدا زبان خیال کرتے ہیں اور غیر زبان کے جن الفاظ نے منجھ منجھا کر یا گھِس پِس کر یا اختلاف لہجہ یا دوسرے اسباب سے ایک خاص صورت اختیار کر لی ہے وہ اب اُردو کے لفظ ہو گئے ہیں، انھیں اصل زبان سے کچھ تعلق نہیں رہا۔ اور جو کچھ صورت ان کی پیدا ہو گئی ہے اور جس طرح وہ زبان زد خاص و عام ہو گئے ہیں وہی ان کی صحیح صورت ہے، اصل زبان سے خواہ وہ کیسی ہی متبائن اور مختلف کیوں نہ ہوں۔ مگر جو حضرات ابھی تک اُن عربی فارسی الفاظ کو جو اردو میں مستعمل ہیں اصلی صورت میں لکھنا اور بولنا صحیح اور فصیح سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف غلط اور غیر فصیح تو گویا وہ ابھی اردو زبان کو زبان ہی نہیں سمجھتے۔ اسی اصول کو

اگر مدنظر رکھا جائے اور ہر اُردو لفظ اُس کی اصلی صورت میں (یعنی جس زبان سے وہ آیا ہے) لکھنا اور بولنا شروع کریں تو اُردو زبان کوئی زبان ہی نہ رہے گی۔ اور موجودہ تحریر و تقریر کے سارے الفاظ باستثنائے چند کے غلط ٹھہریں گے۔ کیونکہ اس میں جس قدر الفاظ ہیں وہ یا تو سنسکرت اور ہندی زبانوں کے ہیں یا عربی فارسی ترکی یا بعض یورپی السنہ کے۔ اُردو زبان مستقل زبان اُسی وقت ہوگی جب وہ ان زبانوں کے لفظ لے کر انھیں اپنا کرلے اور جہاں وہ اپنے ہوئے اُن کی شکل و صورت، وضع قطع، رنگ ڈھنگ میں ضرور فرق آئے گا۔ مگر ہم میں سے بعض نازک دماغ دقیق نظر حضرات کو ان غیر ملکیوں کی یہ بے تکلفی ہرگز نہیں بھاتی وہ انھیں اپنا بنانا نہیں چاہتے بلکہ انھیں ڈھکیل ڈھکیل کر اپنے حدود سے باہر نکالنا چاہتے ہیں۔ اگر سید انشا کے اصول پر عمل ہوتا تو اب تک اُردو میں بہت کچھ وسعت، لطف اور شیرینی پیدا ہو جاتی ہے۔

اس کتاب کے پہلے ہی باب میں سب سے اول اُنھوں نے اُردو کے حروف ابجد سے بحث کی ہے۔ اور اُن کی تعداد کے تعین میں بڑی بڑی جدت طرازیاں کی ہیں۔ سید انشا کے بعد سے اُردو صرف و نحو اور لغت وغیرہ پر بیسیوں ہی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن جس جس پہلو سے انہوں نے ان حروف ہجی کو دیکھا ہے اور اُن کے اقسام قائم کئے ہیں بہت کم لوگوں کی نظر وہاں تک پہنچی ہے۔ حالانکہ دیکھنے میں یہ ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ علاوہ معمولی تقسیم حسن صنعت کے جوہر معمولی کتاب میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً عربی کے اتنے فارسی کے اتنے اور ہندی کے اتنے۔ سید صاحب ایک قسم

اور آگے بڑھے ہیں۔ اس تقسیم کے بعد انھوں نے اُن حروف کو لیا ہے۔ جو کسی خاص حرف سے مل کر ایک آواز پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً سترہ حروف ایسے ہیں جو ہ کے ساتھ مل کر ایک آواز دیتے ہیں جیسے بھاگنا، پھٹنا وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے ہاں اب کہیں اُردو قاعدوں میں یہ حروف بڑھائے گئے ہیں۔ حالانکہ سید انشا مدتوں پہلے لکھ چکے ہیں۔

یا سترہ حروف ایسے ہیں جو نون کے ساتھ مل کر ایک آواز پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً پنڈول، رنگیلا، ہنسنا وغیرہ۔ اردو قاعدوں میں اب تک ان حروف کا ذکر نہیں۔

اسی طرح بعض حروف ایسے ہیں جو ی کے ساتھ مل کر ایک ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کیا (حرفِ استفہام) دھیان۔ پیارا وغیرہ۔ غرض اسی طرح سید انشاء نے اُردو حروف تہجی کی کُل تعداد پچاس بتائی ہے۔

دوسرے باب میں دہلی کے محلوں کی تمیز کے متعلق بڑی دلچسپ بحث کی ہے۔ اور بہ تفصیل بتایا ہے کہ کس کس محلے کی زبان فصیح ہے۔ اور کہاں کہاں کی غیر فصیح۔ مغلوں (اہل مغل پورہ) ساداتِ بارہ۔ پنجابیوں پُربیوں کی زبان کیسی ہے اور اُن کی وجہ سے الفاظ کے تلفظ اور لہجہ اور زبان میں کیا فرق پیدا ہوا ہے؟ اور یہ سب امور تفصیل، اور مثالوں کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اور ایسے لطف کے ساتھ کہ جی خوش ہو جائے۔ اسی میں سید انشا اور حضرت میرزا مظہر جان جاناں کا مشہور مکالمہ ہے جس میں تو گنتی کے دو تین ہی جملے مگر آنکھوں کے سامنے تصویر کھنچ جاتی ہے۔

تیسرے باب میں بعض فصحا وغیرہ کا ذکر ہے۔ اور بعض ایسے الفاظ کا بیان ہے جو اردو میں نہیں یا متروک ہیں اور میر تقی یا مرزا سودا نے ان کا استعمال کیا ہے۔ اسی باب میں نواب عماد الملک، بھانڑا مل، مرزا صدر الدین صفاہانی اور ملا عبد الفرقان کی دلچسپ تقریریں ہیں۔ خاصکر بی نورن اور میر غفر غینی کی تقریریں نہایت پُر لطف ہیں۔ بی نورن اور میر غفر غینی کی تقریریں ایسی پاک صاف شستہ ہیں کہ آج کل کی بول چال بھی اس سے زیادہ فصیح نہیں ہو سکتی۔ اس سے سید انشا کی زبان دانی اور فصاحتِ کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ باوجود اس قدر زمانہ گزرنے کے اور زبان کے منجھنے اور ترقی پانے کے جو کچھ وہ لکھ گئے ہیں اس میں کہیں حرف گیری کا موقع نہیں۔ بلکہ ویسی فصیح اور پاک صاف اردو اب بھی ہر شخص نہیں لکھ سکتا۔ اور اس میں شعرائے عصر کے کلام و حال پر جو تنقید کی ہے وہ بہت ہی ظریفانہ ہے۔ یہاں تک کہ اپنے آپ کو بھی نہیں چھوڑا۔

اسی باب کے آخر میں دلی و لکھنؤ کی فصاحت و فوقیت کا پر لطف موازنہ ہے۔ اور دونوں طرف کے دلائل کو بیان کیا ہے۔ اس میں یہ بات دیکھنے کی ہے کہ چونکہ سید انشا نواب سعادت علی خاں کے ملازم اور مصاحب تھے اس لئے کس کس طرح پہلو بچا بچا کے اس بحث کو نبھایا ہے۔

باب چہارم میں مصطلحاتِ دہلی اور باب پنجم میں گفتگو و مصطلحاتِ زبانِ دہلی کا ذکر ہے۔ یہ دونوں باب محققین زبان و مولفین لغت کے لئے نہایت مفید اور کار آمد ہیں۔

اس کے بعد اُردو صرف و نحو ہے۔ نہ صرف اردو صرف و نحو کی یہ پہلی کتاب ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی اسے تقدُّم اور فضیلت ہے کہ یہ اول کتاب ہے جس میں اُردو کی صرف و نحو بلحاظ زبان بیان کی گئی ہے اور عربی فارسی کی اندھوں کی طرح تقلید نہیں کی گئی۔ اگر مابعد کے مولفین اس اصول کو پیش نظر رکھتے تو اس وقت تک اُردو صرف و نحو مکمل ہو جاتی۔

اس میں مطلق شبہ نہیں کہ سید انشاء اللہ خاں کا اُردو زبان پر بہت بڑا احسان ہے اور خصوصاً یہ کتاب انھوں نے ایسی لکھی ہے کہ جب تک اُردو زبان زندہ ہے اس کے مطالعہ اور اس سے استفادہ اور سند لینے کی ضرورت باقی رہے گی

اس کتاب کا دوسرا حصہ منطق و عروض و قوافی اور معانی و بیان میں ہے۔ یہ حصہ مرزا قتیل کا ہے اور زیادہ قابل لحاظ نہیں۔ بلحاظ فن کے بھی زیادہ مستند خیال نہیں کیا جاتا۔ البتہ منطق و عروض میں ایک جدت انھوں نے ضرور کی ہے۔ یعنی اصطلاحات فن کا ترجمہ اُردو میں ہے مثلاً:

تصور . . . . دھیان
تصدیق . . . . . . جوں کا توں
موضوع . . . . . . بول
محمول . . . . . . بھرپور
رابطہ . . . . . . جوڑ
نسبت . . . . . . ملاپ

قضیہ	بات
بدیہی	پرگھٹ
نظری	گپت
تسلسل	اُلجھا سُوت
دَور	ہیر پھیر
مطابقت	ٹھیک ٹھیک
التزامی	اوپری لگاؤ
مثلث	تکڑا
مربع	چوکڑا وغیرہ

یہ امر قابل غور ہے کہ اصطلاحاتِ علمی اس طور پر تراشی جاتیں، یا ترجمہ کی جاتیں تو اس سے علوم کے ترجمہ کرنے یا عام طور پر علوم کے مقبول کرنے میں کہاں تک آسانی ہوتی یہ ایک بحث طلب مسئلہ ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ ہمیں اصطلاحات کے وضع کرتے وقت جہاں تک ممکن ہو (بشرطیکہ رکاکت پیدا نہ ہو) ہندی سے ضرور مدد لینی چاہئے۔ مثلاً اگر لعمنفیۃ الاجنحہ کی بجائے اِدھر پرایا اَدھ پنکھ، یا عدمیۃ الاجنحہ کی بجائے بے پرایا بے پنکھ، یا عدمیۃ الذنب کی جگہ بے دُما وغیرہ کہا جائے تو کیا حرج ہے بلکہ اس سے سراسر فائدہ ہے۔ بعض الفاظ جو بوجہ سخت اور کرخت ہونے کے ہماری زبان پر نہیں پڑھتے اُن کا ترک کرنا اولیٰ اور اُن کی بجائے ہندی یا فارسی اصطلاحات کا استعمال کرنا مناسب ہے۔

مرزا قتیل نے بھی اس حصہ میں سید انشا اللہ کی پیروی کی ہے اور مزاح و تسخر میں کوئی کمی نہیں کی۔ مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوا ہنس کی چال چل رہا ہے۔ مرزا صاحب کا مزاح اکثر بے نمک ہے۔ انھوں نے عروض میں بجائے مروجہ الفاظِ اوزان کے نئے الفاظ تراشے ہیں۔ مثلاً بجائے مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن کے بی جان پری خانم بی جان پری خانم اور بجائے فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن کے چت لگن پری خانم چت لگن پری خانم وغیرہ فرماتے ہیں۔ میں نے منطق اور عروض و قوافی کو اس کتاب سے ترک کر دیا ہے کہ وہ کچھ مفید نہ تھا۔ البتہ بیان و معانی کا بیان بطور نمونہ کے رہنے دیا ہے وہ کسی قدر ٹھیک ہے۔

اس کتاب کے طبع میں بڑی دقت تھی۔ اول تو یہ کہ جا بجا فحش کلمات بے تکلف استعمال کئے گئے ہیں اس لئے اُن کے خارج کرنے میں بڑی دشواری پیش آئی۔ کیونکہ بعض اوقات مطلب خبط ہو جاتا تھا۔ دوسرے سید انشا کی طبیعت میں اُپچ تو تھی ہی، انھوں نے حروف کے نام بھی نئے ایجاد کئے ہیں۔ غالباً اس میں انھوں نے اپنے ولی نعمت نواب سعادت علی خاں کے اوصاف کی رعایت رکھی ہے۔ مثلاً الف کو اقبال، ب کو بخشش، پ کو پاکی طینت، ت کو ترحم، ٹ کو ٹرسی، ث کو ثروف نگاہی، ک کو کم دماغی، ہ کو ہمت بلند لکھا ہے۔ اور اسی طرح دوسرے تمام حروف کو الگ الگ نام دیئے ہیں۔ اس سے پڑھنے والے کو بڑی اُلجھن ہوتی ہے۔ مثلاً لکھن ایک چھوٹا سا

اس کا تلفظ وہ اس طرح سے بتاتے ہیں" باکم دماغِ مفتوح باہمت بلندیکی گشتہ و نفاست ساکن بمعنی گا ہے"۔ اور چونکہ کتاب میں مختلف تقریریں اور مختلف بولیاں درج ہیں وہ ایک ایک لفظ کا تلفظ اس طریقہ سے بتاتے ہیں تو پڑھنے والے کو سخت پریشانی ہوتی ہے۔ اس لئے میں نے اس طریقہ کو بھی ترک کر دیا ہے اور مروجہ اور معمولی طریقہ کو اختیار کیا ہے تاکہ ناظرین کو سہولت ہو۔

اس کتاب کی تصنیف میں چونکہ سید انشا اور مرزا قتیل دونوں شریک تھے اس لئے نام بھی دونوں نے دو دو تجویز کئے ہیں۔ سید انشا رنے اپنے آقائے ولی نعمت نواب ناظم الملک سعادت علی خاں بہادر کے نام کی رعایت سے ارشادِ ناظمی اور بحرِ سعادت تجویز کئے۔ اور مرزا قتیل نے "دریائے لطافت" اور "حقیقت اردو"۔ مگر ان میں "دریائے لطافت" ہی مقبول ہوا اور وہی آج تک مشہور ہے۔ یہ کتاب ۱۲۲۲ھ ہجری۔ مطابق ۱۸۰۷ء میں تصنیف ہوئی۔ اس کے چھیالیس برس کے بعد مولوی مسیح الدین خان بہادر کاکوردی نے اپنے مطبع آفتاب عالمتاب مرشد آباد میں بہ تصحیح و اہتمام مولوی احمد علی گوپاموی طبع کرایا۔ مولوی مسیح الدین خاں مرحوم میر منشی گورنر جنرل و سفیر شاہِ اودھ تھے اور بعد ازاں واجد علی شاہ مرحوم کی والدہ کے ساتھ انگلستان تشریف لے گئے وہاں سے واپس آنے کے بعد انھوں نے مرشد آباد میں ایک فارسی ٹائپ کا مطبع قائم کیا اور اس میں اچھی اچھی کتابیں طبع کرائیں۔ مولوی صاحب

www.taemeernews.com

کی خوش مذاقی کے بدولت یہ کتاب دستِ بُردِ زمانہ سے بچ گئی۔ مگر اب یہ نسخہ بھی کمیاب ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب اہلِ ملک کے لئے مفید ثابت ہوگی۔

عبدالحق

آنریری سکریٹری انجمن ترقی اردو

اورنگ آباد دکن
۲۸ مئی ۱۹۱۶ء

اُردو کیا ہے :

ہر ملک میں یہ قاعدہ ہے کہ اس کے صاحبانِ کمال اسی شہر میں آکر آباد ہوتے ہیں جس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس وجہ سے اس شہر کے رہنے والوں کی تحریر و تقریر دوسرے شہروں کے باشندوں سے مختلف اور بہتر ہو جاتی ہے۔ اس قاعدہ پر یوں بھی غور کیا جاسکتا ہے کہ ایران میں اصفہان مدتوں صفوی حکمرانوں کا دارالخلافہ رہا اور پھر اس کی زبان دوسرے شہروں کے مقابلہ میں سند بن گئی۔ روم کے دارالسلطنت استنبول کی بھی یہی کیفیت ہے۔ دلی بیشتر مغل بادشاہوں کا دارالقرار تھی۔ فنونِ لطیفہ اور علومِ شریفہ کے تمام باکمال یہاں رہتے تھے اس لئے اسے بھی اصفہان اور استنبول کا سا مرتبہ مل گیا۔ لاہور۔ ملتان۔ آگرہ اور الہ آباد بھی اپنے ذی شوکت حکمرانوں کی بدولت اس کے ہم چشمک رہے لیکن ان کو اس کی سی حیثیت حاصل نہ ہوسکی۔ دلی میں ان کی بہ نسبت بادشاہت زیادہ عرصہ تک رہی ہے۔ اس لئے اس کے ہم بیانوں نے باہم ہوکر متعدد زبانوں سے اچھے اچھے الفاظ منتخب کرکے بعض عبارتوں اور محاوروں میں تصرف اور پھر تمام زبانوں سے الگ ایک نئی زبان پیدا کی۔ یہی نئی

زبان اُردو ہے۔

شاہ جہاں نے دلّی کو اپنا دارالحکومت بناکر اپنے نام سے اسے عزت بخشی تھی۔ شاہ جہاں کے عہدِ قیام سے آج تک دلّی مغل حکمرانوں کا پایۂ تخت ہے۔ زمانۂ سابق میں مختلف شہروں کے رہنے والے دلّی آتے اور تہذیب و شائستگی سیکھتے تھے۔ دلّی کے باشندوں کو دوسرے شہروں میں جانے کا کم ہی اتفاق ہوتا تھا۔ اگر کسی ناگزیر ضرورت کے تحت کوئی دوسرے شہر چلا بھی جائے تو اس کی بڑی تعظیم و تکریم ہوتی تھی اور اس کی صحبت سے نشست و برخاست اور تحریر و تقریر کے آداب سیکھے جاتے تھے۔

اب دلّی کی حالت دگرگوں ہے۔ تباہیو ، اور حادثوں نے اربابِ کمال کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ ترکِ وطن کریں۔ نتیجہ میں انہوں نے جہاں کہیں اطمینان کی صورت دیکھی چلے گئے۔ ان کی طرزِ معاشرت کے ساتھ ساتھ ان کے اندازِ بیان نے بھی دوسرے شہروں کے عوام پر اپنا اثر مرتب کیا اور انہوں نے بھی بتدریج دلّی کے طور طریق سیکھ لئے اس کے باوجود اصل و نقل کا فرق باقی رہ گیا۔ چنانچہ جن لوگوں کا مولد دلّی تھا ان کی اولاد دلّی ہی کا روزمرہ بولتی ہے۔ دوسرے شہروں کے افراد کی صحبت نے بعض کی زبان کو بگاڑ دیا ہے اور وہ اپنی تحریر و تقریر میں ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جو اُردو کے خلاف ہیں۔ اس رجحان کی تفصیل یہ ہے

بعض جملوں میں "کے" اضافہ کر دینا اہل پورب کی خاصیت ہے۔ اہل دہلی کا یہ جملہ "کل ہم تمہارے یہاں گئے تھے وہ ان کے نزدیک " کل ہم تمہارے کے یہاں گئے تھے" ہو جائے گا۔ وہ میرے، تیرے، اس کے وغیرہ کے بعد بھی ایسا ہی اضافہ کرتے ہیں۔ اسی طرح انھوں نے یہاں، وہاں اور جہاں کی 'ہ' کو 'الف' کے ساتھ مخلوط کر کے یاں، واں اور جاں بنا دیا ہے۔ کچھ لوگوں نے اسم تانیث میں 'ی' بھی بڑھائی ہے اور پھر حلال خوری کو حلال خورنی کر دیا ہے (اگرچہ لفظ حلال خور کسی اعتبار سے درست نہیں ہے لیکن کثرت استعمال کے باعث صحیح ہو گیا ہے) اس طرح سبزی فروش کے لئے کبڑیا اور اس کی تانیث کبڑنی ہو گئی ہے۔ دلی میں کبڑیا اور کبڑنی کی جگہ کنجڑا اور کنجڑن کہتے ہیں لیکن یہی کنجڑن پورب میں کنجڑنی کہلاتی ہے۔ وہ بڑ کے درخت کو برگو، آک کے پودے کو مدار اور لوکوے کہتے ہیں۔ دلی والوں کے نزدیک لے امر واحد ہے اور لو حسن کلام کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اگر دلی والے 'لو یار چاندنی چوک تک ہو آئیں'، کہیں گے تو پورب میں یہی جملہ "لے یار چاندنی چوک کی سیر کر آئیں" ہو جائے گا۔ اسی طرح پورب میں چھت کی کڑی کو دھنی، نرسل کو نرکل دہنا کو دایاں اور رسولی کو تیوری کہا جاتا ہے۔ پھر ددھیال اور ننھیال میں میں بھی حرف اول کے بعد الف کا اضافہ ہو گیا ہے۔

اگرچہ بہت سے لوگوں نے دلی والوں کی صحبت میں اپنی زبان کو درست کر لیا ہے اس کے باوجود ان کے لب و لہجہ سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ اہل دہلی سے نہیں ہیں۔ اور زبان۔ عربی، فارسی، ترکی، پنجابی، پوربی، برجی اور

اسی طرح کی کئی دوسری زبانوں سے مل کر بنی ہے۔ یہ جملے اس کی مدلل مثال ہیں۔

"واللہ باللہ تمام شب باجی جان یہی کہتی تھیں کہ مجھے چھوٹے بھیا پر بڑا کھیا آتا ہے کہ ناحق ناحق تگاجی ساتھ لے کر پایندہ بیگ کھجے کے گھر دوڑ دوڑ کے جاتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس جھلے کی دوستی میں اپنا سر کٹوا دے۔ میں نے کہا آپ کاہے کو کڑھتی ہیں۔ اس لڑکے کا بیلی ہے پایندہ بیگ کیا ہے یا بگلا مارے پنکھ۔"

ان جملوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ واللہ باللہ عربی۔ تمام شب فارسی باجی ترکی کھیا پنجابی اور پنکھ پوربی ہے۔ عقل مند بے وقوف کو جھلا، نگہبان کو بیلی اور دایہ کے شوہر کو تگا کہتے ہیں۔ کاہے کو، کس واسطے اور کیوں کے معنی دیتا ہے۔

بعض اوقات دلّی اور بیرون دلّی کا فرق حروف کے حرکات یعنی تلفظ سے بھی ہوتا ہے۔ دلّی والے شاہ جہاں پور کہتے وقت پور کو خود کے وزن پر ادا کرتے ہیں۔ پورب والوں نے اسے نور کے وزن پر استعمال کرنا شروع کیا ہے۔ موہان لکھنؤ کے ایک قصبہ کا نام ہے۔ اسے اہلِ دہلی گمان اور اہل پورب طوفان کے وزن پر ادا کرتے ہیں۔ رُدولی جو شیخ عبدالخالق کی آخری آرام گاہ ہے پورب میں رادولی کہی جاتی ہے۔ یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ اہلِ دہلی سے ہماری مراد وہی حضرات ہیں جن کے آبا و اجداد کا مولد دلّی تھا مگر وہ پورب میں پیدا ہوئے تھے۔ اہل پورب نے طفولیت کے لئے لڑکپن کا لفظ اختراع کیا ہے۔ دہلی کے فصحی لڑکین کہتے ہیں۔ طالب علموں

نے لڑکائی اور مغل پورہ والوں نے لڑکاپن بنا دیا ہے۔

حروفِ تہجی

اُردو کئی زبانوں سے مل کر بنی ہے اس لئے اس کے حروف تہجی کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اہل تحقیق کے نزدیک یہ پچاسی تک پہنچتے ہیں۔ بعض لوگوں نے ان میں دس کا مزید اضافہ کیا ہے اس طرح یہ تعداد پچانوے ہوگئی ہے۔ د اور خ ن کے ساتھ، س ی کے ساتھ، ج، ہ کے ساتھ، ج، ہ یا ن کے ساتھ مل کر مشکوک ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح ز اور ش ن کے ساتھ، پ اور ا، و کے ساتھ ک و اور ن کے ساتھ، م، ی اور ن کے ساتھ مخلوط ہوجائیں تو ان کی بھی یہی حیثیت ہوجاتی ہے۔

حروف تہجی کی تعداد عربی میں اٹھائیس اور فارسی میں چوبیس ہے۔ عربی کے اٹھائیس حروف تہجی میں سے ث، ح، ص، ض، ط، ظ، ع اور ق الگ کردیئے جائیں تو ان کی تعداد بیس رہ جاتی ہے۔ پھر پ، چ ژ اور گ کا اضافہ کیا جائے تو وہ فارسی حروف تہجی بن جاتے ہیں۔ اب رہے ترکی کے حروف تہجی تو ان کی صورت یہ ہے کہ فارسی کے حروف تہجی سے ذ اور ژ نکال کر ان کی جگہ ق کا اضافہ کردیا گیا ہے۔ اس طرح اُردو کے حروف تہجی میں عربی کے اٹھائیس، فارسی کے

چار اور ہندی کے تین حروف شامل ہوگئے ہیں۔ ان کے علاوہ ان میں ا، ب، پ، ت، ٹ، ث، ج، چ، ح، خ، د، ذ، ر، س، ک، گ، ل، م، ن، اور ہ کو بھی شامل سمجھنا چاہیے جو ن کے ساتھ مل کر آواز دیتے ہیں۔ ہائے ہوز کے ساتھ مخلوط ہونے والے حروف میں ب، پ، ت، ٹ، ر، ڑ، د، ڈ، ک، گ، ل، م، ن، و، ی، ج اور چ کی بھی یہی کیفیت ہے۔ ی کے ساتھ ہم آواز ہونے والے حروف میں ب، پ، ک، گ، دھ، ڈھ، ج، چ، س، ش اور ن بھی اسی قبیل کے ہیں۔ ک، گ، ب، پ، ج، چ، د، ڈ، ی اور نون کے ساتھ مل کر یہی صورت پیش کرتے ہیں۔ آخر میں دو حروف یعنی ا اور ب کا ذکر بھی ضروری ہے جو و کے ساتھ مخلوط ہو جاتے ہیں۔

ا اور ب کے علاوہ بعض دوسرے حروف کی حیثیت بسا اوقات بحث طلب ہو جاتی ہے۔ کچھ حروف لکھے ضرور جاتے ہیں لیکن ان کو حروف ہجی کا رتبہ حاصل نہیں ہوتا ہے جیسے س ی کے ساتھ مخلوط ہو کر، اگرچہ یہ بازاری لوگوں کی زبان پر بکثرت آتا ہے اس کے باوجود اس طرح کے دوسرے حرفوں کی کمی نہیں ہے۔ جیسے ادوا (ایک بازاری عورت) بخشی، تنو، پیا وسازندوں کے نام، جمیا، حسین، خانمی، چاندنی، وامڑی، ذاکر علی (سارنگیا کا نام) راحت، زاہد علی (راحت کا بیٹا) سندری، شکرو، صاحب بخش، ضابط علی (سازندہ) طاہر علی (ضابط علی کا بھائی) ظہورن، عزت، غزبنی، فرخندہ، قطبو، کریمن، گنا، لاڈو، مہتاب، نورن، وزیرن، ہینگو، یارو (کنچن کا نام)

اگرچہ یہ کسبی عورتوں اور بازاری مردوں کے نام ہیں لیکن ہیں اردو ہی میں۔ حروف محولہ ان ناموں کے علاوہ اور لفظوں میں بھی مل جاتے ہیں غرض کہ ان ناموں میں ہم نے ژ کے قطع نظر تمام حروف تہجی پیش کر دیئے ہیں۔ عربی اور فارسی کے حروف تہجی کی مجموعی تعداد بتیس ہوتی ہے۔ رہے ہندی حروف تہجی تو ان میں ڈ سے ڈولی، ٹ سے ٹانٹھی (موٹی عورت) اور ڑ سے پیڑ بنتا ہے۔

ن سے مخلوط ہونے والے حروف کی تعداد سترہ اور ان کا محل استعمال یہ ہے۔ انگرکھا، بندوڑ (کنیز) پنڈولی (مٹی) تندور (تنور) ٹنگڑی (ساق) جنگلا (راگنی) چنگر (خنجر) دنتیلی (ہاتھی کے چھوٹے دانت) ڈنٹر (ورزش) رنگیلا (خوش اختلاط) سنگار (آرائش) کندلا (چاندی پر سونے کا ملمع) گندوڑا (شکر کی روٹی) لنڈورا (دم کٹا) منگیتر (جس کی منگنی ہوئی ہو) نگیا لینا (زبردستی کپڑے اتروانا) ہنڈولا (گہوارہ)

بھاگنا، بھٹنا، تھوڑا، ٹھنڈا، ٹیڑھا۔ پڑھا، جھوٹا، چھوٹا، جھیل دھوم، ڈھال، کھال، گھوڑا، لمھور (منجھلا بیٹا) تمہارا اور گھر میں ب، پ، ت، ٹ، ر، ڑ، ج، چ، د، ڈ، ک، گ، ل، م، ہ کے ساتھ مخلوط ہوتے ہیں۔ اسی طرح ن، و اور ی کے اختلاط کی مثال میں ننھا، یہاں اور وہاں ہیں۔ ہ اور ن کے ساتھ مخلوط ہونے والے حروف کی مثال میں کھنڈرنا (بکھرنا) گھنگرو، بھنڈرانا (دھوکہ دینا) پھندنا جھنڈولا، دھنکانا۔ ڈھنڈورہ اور چھنگلیا قابل ذکر ہے۔ اس طرح بیوتانا، پیوسی، کیا، گیارہ، دھیان، جیوڑا۔ چیونٹی۔ ڈیوڑھی

نیولا اور شیو داس میں حروف   ی کے ساتھ مخلوط ہوتے ہیں۔

مختلف فرقے اور محلے

یہ بات اہل نظر سے مخفی نہیں ہے کہ طرز بیان اور طرز معاشرت ہندوؤں نے مسلمانوں سے سیکھی ہے۔ اس لئے ان کا طریقۂ کار اور سلیقۂ گفتار کسی بھی مقام پر درست نہ ہوگا۔ وہ دلی میں رہتے ہوئے بھی دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ ایک گروہ کو مسلمانوں کی صحبت ملی ہے۔ دوسرا اس سے محروم ہے۔ جن ہندوؤں کی اصل پنجاب سے ہے۔ وہ مہربانی، نگہبانی اور نوالہ کی جگہ کرپا، چھیا اور گراس کہتے ہیں۔ اسی طرح یہ الفاظ بھی ان ہی سے مخصوص ہیں۔ چاچا (باپ کا چھوٹا بھائی) تایا (باپ کا بڑا بھائی) ماما (ماں کا بھائی) مامی (ماں کے بھائی کی بیوی) ماسی (ماں کی بہن) بھوا (باپ کی بہن) جیجا (بہن کا شوہر) دھا (دایہ) دھادرا (دایہ کا شوہر) قلیہ (پکے ہوئے گوشت کی ہر قسم) پروسنا (کھانا نکالنا) گیتو (گاؤدہ) بے زبان (مسکین آدمی) ہتیا (آزار) بھگت (زاہد) سنار (زرگر) لکلسا (نکلا) علیٰ ہذا القیاس دوسرے بہت سے الفاظ۔

وہ ہندو جو لاہور، کلانور، پٹیالہ، سودھرا، پسرور، راہولی، ہکودر کاوس، باچھیاں، بھلوال، اور کپورتھلہ سے آکر دلی میں آباد ہوئے

ان کا روزمرہ ہندی میں ایسا ہے جیسے اہل خراسان کا فارسی یں۔ وہ دستار کو پگ، دلّال کو دلال، بادکش کو پنکھا، باپ کو لالہ اور دیوار کو کندھ کہتے ہیں۔ چنانچہ چنیا مل دلّال، خوش حال رائے جوہری سے ملنے دلّی سے فیض آباد پہنچا۔ خوش حال رائے جوہری نے فراست سے تاڑ لیا کہ، وہ دلّال کا بیٹا کا ہے۔ چنانچہ حلوہ اور لچّی پوری سے اس نے اس کی تواضع کی۔ اور پھر وقت رخصت چار فلوس بازار کی سیر کے لئے بھی دیئے۔ وہ جس وقت دلّی واپس آیا تو اس کے دوست احباب اسے گھیر کر خوش حال رائے جوہری کی خیریت دریافت کرنے لگے۔ اس نے بڑی تمکنت کے ساتھ گردن اٹھائی اور یوں گویا ہوا۔

" کھسالی جوہری کی بھیجی باد میں ایسی بنی کہ ایسی کسی کی نہ بنی ہو۔ ڈوڑھی ڈوڑھی پر خیریل وچ خیریل دے سارے دی ہنٹ ڈھیری کے اندر بھی کنور، کنورے کے منہ اوپرہ ڈالکڑا ہو شنی بھی ایسا کہ ایسا کوئی بھی نہ ہوگا۔ مجھے دیکھتے ہی باگ باگ ہو گیا ہور وسی گھڑی چھ پیسے آدمی کو دے ئے کہ چنیا مل کے واسطے پوریاں ہور موہنا بھوگ تو جا کے لاؤ ہور اس کے آوتے آوتے تا کر دھیلے کی گاجرای ہور دھیلے کا چٹا گڑھلے کر دیا کہ جب تک وہ لوتا رہے اس کے آوتے توڑی منہ تو جھٹالو۔ اب چنگا جو کری تاں تو اس نے بھی غرماغرم لوچیاں ہور کچھوریاں ہور موہن بھوگ ڈھیر سالا کے میرے آگے رکھدیا۔ میں نے کھا کے کرولی کر کے کہا میں ہنڑ جاتا ہوں۔ سن کے بے چارے نے چار پیسہ کھیسے میں مے کہ دیئے

جیسے کہ اس واکچھ بچار سے لے کے منہ وچ ڈالی دے جانا“

اس عبارت میں کہنے والے نے خوش حال کو کھسال، فیض آباد کو کھینچ لا
لیا ہے۔ یہ زبان شہر کے عوام بلکہ جاہلوں کی ہے۔ اس طرح ڈیوڑھی کو ڈوڑھی۔
کھپریل کو چھپریل کہنے کا رواج بھی پورب کے قصبوں میں ہے۔ اس کے علاوہ
پنجابی، درمیان کو وچ، باولی کو کنوا، بلند کو اوپر، بڑا کو وڈا، سخی کو شخی، تک کو تاکر
گاجروں کو گاجراں، سفید کو چٹا، تک کو لگ، ناشتہ کو جھٹ لو۔ اچھا کو چنگا
تو کو تاں، گرما گرم کو شوما شرم، انبار کو ڈھیر، سامنے کو آگے، گلی کو گردی۔
اب کو ہنڑ، نکال کو کڈھ، کا کو دا اور کی کو دی کہتے ہیں جیسے فلانے دا
بیٹا، فلانے دی بیٹی، ڈال دے جانا وغیرہ

دلال، جانا کو جانڑا اور زنگار کو جنگال کہتے ہیں۔ ان کے لہجہ میں شنگرف
مسطر کے وزن پر ادا ہوتا ہے۔ چونکہ یہ پنجابی الاصل ہیں اس لئے ان کی
زبان غیر معتبر ہے۔ ان کے میل جول کے باعث ان پڑھ اور جاہل بھی
وہی حروف اور حرکات استعمال کرتے ہیں جو کسی اعتبار سے درست نہیں
ہیں۔ جو شخص زنگار بروزن چھارا اور شنگرف بروزن مسطر سے منکر ہے اس
کے متعلق یہ یقین کر لینا چاہئے کہ اس نے دلی نہیں دیکھی ہے۔

بعض الفاظ اور کھیل دلی ہی سے مخصوص ہیں۔ جیسے چنڈول گداگر
پول (ایک کھیل کا نام) کاٹھ کٹول بانسلی بھنیری میرا ناؤ کالی بیلی ڈلو۔
(دیوار پر کھینچا ہوا خط مستقیم) چتر چھبول (ایک ایرانی کھیل) گھوڑ
منڈہ، چوہے لنڈھے، مونگ چنا ڈگ ڈولی ڈو (بچوں اور جوانوں

کے درمیان کھیلا جانے والا ایک کھیل) چھلا چھپوں (انگشتری بازی)

مغل ہندوستانی عورت سے شادی کرتے ہیں یا لونڈی کو اپنے گھر ڈال لیتے ہیں۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو دایہ متلانی ہوتی ہے یا سیلانی، بچہ دایہ کو انا، ماں کو امی جان اور بہن کو باجی صاحب بولنے لگتا ہے پھر رفتہ رفتہ اس کو صاف اور شستہ زبان آجاتی ہے۔ خواجہ محمد لیث کشمیری کا نکاح میر محمد مقیم کی بیٹی سے ہوا وہ دہلی کی رہنے والی ہے۔ اس سے جو بچہ تولد ہوگا اس کی وجاہت میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔

کشمیر کے گورے پن اور دلی کے سانولے پن کے اتصال نے ایک عجیب رنگ پیدا کیا ہے اس انگلو حسن نے بڑے فتنہ برپا کئے ہیں۔ زانگلو اس لڑکی یا لڑکے کو کہا جاتا ہے جس کا باپ کشمیری اور ماں دہلوی ہو۔ ان باتوں کی پورب والوں کو کیا خبر، وہ پوربی ہونے کے باوجود پوربی نہیں ہیں۔ پوربی آنکھ مچولی کو آنکھ مچونا اور آنکھ بند کرنے کو آنکھ موچنا بھی کہتے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود دلی کے دلال دوسرے شہروں کے ہندوں بلکہ مسلمانوں سے بھی زیادہ فصیح ہیں۔ ان کے لب ولہجہ سے دلی کی بود و باش جھلکتی پڑتی ہے۔

اردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ بعض اختلافات کی بنا پر سارے شہر کی زبان کو فصیح کہنا غلط ہوگا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ دلی کے عامی اور بازاری بھی عام بول چال میں دوسرے شہروں کے شریفوں اور فصیحوں سے بہتر ہیں۔

جس نے دلی میں تربیت پائی ہے اس پر یہ بخوبی ظاہر ہوگا کہ مغل پورہ دلی کے بڑے محلوں میں سے ایک ہے اور وہاں کا روزمرہ پنجاب کے روزمرہ میں گڈمڈ ہوکر بنا ہے۔ دور کیوں جائیں، پنجاب [illegible] کا لفظ ہے، ہنگام کے وزن پر اس کا صحیح تلفظ ادا ہوتا ہے۔ [illegible] مغل پورہ والے نقاب کے وزن پر کہہ کر ان کو بے [illegible] دیتے ہیں۔ اس طرح مغل پورہ والوں کی زبان میں لاہور، لہور ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ تو پنجاب کے ہندوؤں کی طرح ق کو ک سے بدل کر قبیلہ کو کبیلہ اور قطعہ کو کطعہ بنا دیتے ہیں۔

طے کرنا کو سنگھنا، ویسا کو اوسا، میرے لائق کو میرے جوگا، گیارہ کو یارھاں، بیالیس کو بتالیس، سبزی فروش کو ارائیں۔ جانور کو جناور۔ سب نے کو سبھوں نے، تلواروں کو تلوراں، لگائیں کو لگائیاں اور رکھیں کو رکھیاں کہنا ان میں عام ہے۔ فصحا کی زبان پر مجھے، تجھے، ہمیں، تمہیں، اُسے، اِسے، اُنھیں، اِنھیں، آپ کو جاری ہے۔ یہ اس کے خلاف میرے تئیں، تیرے تئیں، ہمارے تئیں، تمہارے تئیں، اُس کے تئیں، اِس کے تئیں، اُن کے تئیں، اِن کے تئیں اور آپ کے تئیں، بولتے ہیں۔ اسی طرح ان کے یہاں میری طرف، تیری طرف، تمہاری طرف، اُن کی طرف، اِن کی طرف، اُس کی طرف، اِس کی طرف اور آپ کی طرف کی بجائے مجھ تئیں، تجھ تئیں، تم تئیں، ہم تئیں، اُس تئیں، اِس تئیں، اُن تئیں، اِن تئیں اور آپ تئیں۔

ہو جاتا ہے۔ ان ہی لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو حرف اضافت حذف کر کے مجھ طرف، تجھ طرف، تم طرف، ہم طرف، اُن طرف، اِن طرف، اُس طرف، اِس طرف اور آپ طرف بنا دیتے ہیں۔

اہل مغل پورہ پر ہندوؤں کا کافی اثر ہے۔ اس باعث وہ ان کی طرح باپ کے چھوٹے بھائی کو چاچا، ہرگز کو ہرگس اور تک کو تلک کہتے ہیں اور ہنستا ہوا اور بندھا ہوا میں ن کے اعلان کو ضروری خیال کرتے ہیں۔

قدیم دلی کی لسانی خصوصیات میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ وہاں کے رہنے والے ادھر کو ایدھر، اُدھر کو اُودھر، کدھر کو کیدھر، اور پرا ٹھا کو پروٹھا کہتے ہیں۔ اس طرح بھچک ان کی زبان پر بھیچک بن جاتا ہے۔ مینھ۔ شیر کے وزن پر ادا کرتے ہیں۔ اس طرح تین کو تکوں اور جانے والے کو جانے ہارا۔ کہنا ان کے لئے معمولی بات ہے۔ اب ان کے زیر اثر نئی دلی (شاہ جہاں آباد) کے باشندے بھی، فرماتا ہے، جاتا ہے اور کہتا ہے کو فرمائیتا ہے، جائیتا ہے اور کا ہتا ہے اور پھر مضارع اور حال کے ہر صیغہ پر یہی قیامت ٹوٹتی ہے۔

جس زمانے میں کہ میں اپنے والد کے ساتھ دلی میں مقیم تھا۔ میرزا جان جاناں مظہر کی فصاحت اور بلاغت کی بڑی شہرت تھی۔ ایک دن میں اپنی طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو گیا کہ ان کا دیدار

کروں اور کلام معجز بیان سنوں، چنانچہ میں نے اصلاح بنوائی، ڈھاکہ کی ململ کا انگرکھا پہنا، سرخ پگڑی باندھی اور پھر اس میں کناری کو ڑیا۔ اسی ہیئت میں ہاتھی پر سوار ان کی خدمت میں چلا۔ وہ جامع مسجد کے متصل اس بالاخانے پر رہتے تھے جو کیول رام بانیہ نے اُن کے لئے بنوالا تھا۔ جب میں نے اُن کو دیکھا تو سفید پیرہن پہنے، سفید ٹوپی اوڑھے، نافیالی رنگ کے دوپٹہ کا سموسہ بنا کر کندھے پر ڈالے، بیٹھے تھے۔ میں نے نہایت ادب سے سلام کیا۔ بڑی شفقت اور خوش اخلاقی سے پیش آئے اور پھر مجھ نالائق کو اپنی بغل میں لے کر پہلو میں بٹھا لیا۔ میں نے عرض کیا۔

"ابتدائے سن صبا سے تا اوائل ریعان اور اوائل ایعان سے الی الآن اشتیاق مالا یطاق تقبیل عتبۂ عالیہ نہ بہ حدے تھا کہ سلک تحریر و تقریر میں منتظم ہو سکے لہٰذا بلے واسطہ و وسیلہ حاضر ہوا ہوں"

ارشاد فرمایا:

"اپنی تکوین بھی بہ و طفلی سے تمہیں سے اشخاص کے ساتھ موانست و مجالست رہا کی ہے"

دلّی کے ایک محلہ میں کشمیریوں کی اولاد رہتی ہے۔ اسے فصیح زبان سے تعلق نہیں رہا ہے۔ اس کے لب و لہجہ میں نون غنہ کے اعلان کا بہت رواج ہے۔ یہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان نہ حرف کو کا جا

دیا ہے یا اضافہ کرتی ہے بلکہ ضمیر متکلم و حاضر بھی ان کی زبان پر مضاف ہے ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ میرا بیٹا کو میری بٹیا، تیرا بیٹا کو تیری بٹیا زید کی بیٹی کو زید کا بیٹی، عمر کی بیٹی کو عمر کا بیٹی کہتے ہیں۔ اور پھر جہاں کہیں کسی رابطہ کی ضرورت نہ ہو وہاں بھی کو بڑھا کر ربط پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کاظم جیو سوداگر کے بیٹے مرزا لطف علی ایک دن کہتے سنے گئے ہیں کہ:

> "کسی کے گھر میں ایک بیٹی ہوتی ہے تو اس کو مارے فکر کے نیند نہیں آتی ہے۔ مجھ کو تو تین تین بیٹی ہیں کیا کروں چار پہر رات سے مارے اندیشہ کے شیخ سعدی کی گلستان پڑھا کرتا ہوں۔ بھلا صاحبو جس کو تین بیٹیاں ہوں وہ گلستان پڑھ کر جی نہ بہلائے تو کیا کرے۔"

جس طرح مرزا لطف علی گلستان میں لون کا اعلان کرتے تھے۔ اس طرح کشمیری فریاد کرنے کو فریاد کھانے کہتے ہیں جیسے فلاں نے فلاں نواب صاحب کے پاس میری فریاد کھائی۔ اسی طرح مذکر کی جگہ تانیث اور تانیث کی جگہ مذکر بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ کروں گا کی جگہ خواہم کرد کا لفظی ترجمہ چاہتا ہوں کرنا چاہوں گا کرنا ان کی زبان پر ہے۔ یہ نہ کی جگہ مت کہتے ہیں۔ جیسے اس کام کو مت کرنا۔ میواتی کو میوایتی کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کو فعل ماضی کی جگہ

مصدر استعمال کرنے کی بھی عادت ہے۔ ان سے پانچ روپے لیا
چاہیے کے بدلے ان سے پانچ روپے لینا چاہیئے کہیں گے۔
سننا کی جگہ سمجھنا بولتے ہیں۔ جیسے "مرزا رفیع کی غزل کوئی سمجھو
تو میں پڑھوں"

دلی کے جس محلہ میں سادات بارہہ کی شادی ہوئی ہے اور بستے
ہیں۔ وہاں اردو کے سر پر ہمیشہ بلا نازل ہوتی رہتی ہے۔ وہ علامت
مفعول کے واؤ مجہول کو معروف بنا دیتے ہیں۔ یہ واؤ معروف
میر سوز کی ایک غزل میں ردیف بن کر بیٹھا ہوا ہے۔ بے چارے
مجبور تھے کہ یہی واؤ معروف فارسی میں کہاں کے معنی دیتا ہے۔
یہ دلی کا فیض ہے کہ سادات بارہہ نے واؤ معروف کے ساتھ
نون غنہ کا دم چھلا ہٹا دیا ہے ورنہ ان کے آباو اجداد جو بارہہ میں
رہتے ہیں وہ کو، کو کوں ہی بولتے ہیں۔ ان کی گفتگو کا نمونہ ذیل
میں درج ہے۔

" اس چھوکرے کریش نے کتنا(ں دکتا) کہا کر
مجھ سوں نہ بولا کر دونوں ٹانگاں ماں مر کر دوں گا
اب توں آپڑے اوپر بدنامی نہیں آئی کہیں بار تے
ہمیں بدنام نہ کرنا"

دلی کے بعض محلوں میں مختلف قصبوں کے لوگ آکر آباد ہوگئے
ہیں۔ ان کی اولاد عجیب وغریب زبان بولتی ہے۔ چنانچہ افغانوں

کی آبادی میں بیارا، اجارہ کے وزن پر بولا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ نسل، بہتر کو بیش، رنڈی کو جروا، مور کو مرا، چارپائی کو کھٹیلہ آگ کو آگی اور حلال خور کو بھنگی کہتی ہے۔

اس طرح اور محلوں کے رہنے والے جنہوں نے اپنے والدین سے زبان سیکھی ہے۔ ان کی زبان اس جانور کی طرح ہوتی ہے جس کا چہرہ انسان کا اور جسم گدھے کا ہو۔ یا وہ آدھا ہرن اور آدھا کتا ہو۔ ان میں زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو فرید آباد، رہتک، سونی پت اور میرٹھ سے اٹھ کر آئے ہیں۔ اور پھر جب کبھی تلاش معاش میں دوسرے شہروں کا رخ کرتے ہیں تو یوں ظاہر ہوتا ہے جیسے دلی ہی اُن کا آبائی وطن ہے۔ قیامت ہے کہ مختلف قصبوں کے رہنے والے ان کے الفاظ کو اپنی اُردو دانی کا سرمایہ کہتے ہیں اور پھر ہر وہ شخص گنوار ہو جاتا ہے جو ان کی صحبت سے محروم رہا ہے۔ ان دلی والوں کو اس بات کی مطلق خبر نہیں کہ دلی کی زبان کیا ہے۔ یہ ان نام نہاد دہلوی کی زبانی سنے ہوئے الفاظ بڑی بے تکلفی کے ساتھ اپنے شعروں میں استعمال کرتے ہیں۔ اگر کوئی بتلائے کہ یہ الفاظ اردو نہیں ہیں تو ان کی آنکھیں فوراً سرخ ہو جاتی ہیں۔ اور وہ یہ سمجھتے کہ ہم اہل زبان سے یہی سنتے آئے ہیں۔ فلاں میر صاحب۔ فلاں شیخ صاحب دلی کے افصح الفصحا ہیں۔ اسی طرح کہتے تھے۔ اگرچہ وہ غریب اہل دلی ہونے کے مدعی نہیں ہیں۔ لیکن ان کی بدولت دوسرے

بہت سے بیرونی لوگوں میں ان کا سا مالیخولیا عام ہو گیا ہے۔

لاہور یا سیالکوٹ کے بعض پنجابی تاجر تین تین چھ چھ مہینے دلی میں ٹھہرنے کے بعد اپنے وطن واپس لوٹتے ہیں اور اپنے ہم وطنوں پر حرف گیری کرتے ہیں کہ وہ پنجابی ہیں۔ حالانکہ خود بھی پنجابی ہیں پھر بھی یہ کہنے سے باز نہیں رہتے ہیں کہ دلی میں کوئی بھی یہ لباس نہیں پہنتا ہے اور ایسی گفتگو نہیں کرتا ہے۔

پوربی باشندوں کی بھی یہی کیفیت ہے، وہ نجف علی خاں مرحوم کے زمانے میں ایک مہینہ دو مہینہ اور چھ مہینے دلی میں قیام کرتے اور پھر متھرا، ڈیگ، بھرت پور، برج اور میوات کے قصبوں میں گھومتے تھے۔ ان کی تمام زندگی الہ آباد، سندیلہ اور نانک پور میں گزری۔ لکھنو میں مل جائیں تو یہی کہتے دکھائی دیں گے کہ ہمیں اس ملک میں کوئی بھی نہیں جانتا ہے۔ لکھنو کے باشندہ دلی والوں کی بہ نسبت زیادہ طوطا چشم اور موقع پرست ہیں۔ قسم ہے امیرالمومنین کی جو بامروت اور صاحب دل ہم نے دلی میں دیکھے ویسے اور کہیں نہیں ملے۔ نہ جانے ہمیں یہ کس جرم کی سزا ملی ہے کہ ہم دربدر ہو کر پورب کی خاک اڑا رہے ہیں۔ پورب میں نہ کسی کی زبان درست ہے نہ کسی کی بول چال۔ جب ایسے پنجابی اور پوربی چند مہینہ دلی میں قیام کرنے کے بعد دہلوی بن جاتے ہیں تو پھر ان بیچاروں نے کونسی غلطی کی ہے جن کا مولد دلی ہے اور وہ

اس پر فخر نہ کریں۔ یہ لوگ کو اور یہ کی جگہ یا، یو کہتے ہیں۔ ان لوگوں کو غنیمت سمجھنا چاہیئے کہ یہ پوربی لوگوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔

مضافات دہلی میں کو، یو اور یہ کا استعمال عام ہے۔ وہاں کے لوگوں نے اپنے ماں باپ کی زبان سے ایسے ہی الفاظ سنے ہیں۔ اس بنا پر وہ دلی میں پیدا ہونے کے باوجود گھریلو زبان اور دہلوی زبان میں فرق نہیں کر سکتے ہیں۔ محض دلی کا باشندہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ان کی اردو صحیح اور درست ہے۔ اس لئے دلی والوں کے نزدیک وہ دیہاتیوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔

دلّی میں فصاحت اور بلاغت پر کسی کا حصہ نہیں ہے۔ فصاحت اور بلاغت چند مخصوص لوگوں تک محدود ہے۔ میری تحقیق کے مطابق دلی کے ہر محلہ میں ایک نہ ایک صاحب بیان موجود ہے۔ بعض جگہ دو اور بعض جگہ تین بھی مل جاتے ہیں۔ دو تین محلوں میں تو یہ تعداد چار، اور پانچ تک پہنچتی ہے۔ اس لئے یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ دلی کا ہر محلہ فصاحت کی راجدھانی ہے۔

دلّی کے جن محلوں میں صاحبانِ فصاحت و بلاغت رہتے ہیں، ان میں قلعہ مبارک، بادشاہی، بنگلہ مسید فیروز،

حویلی صفدر جنگ، حویلی ملکہ زمانی بنت فرخ سیر، کابلی دروازہ، شاہ خدایار کا تکیہ، شبیر جنگ کا چوک، سعادت خاں برہان الملک کا احاطہ۔ پھاٹک حبش خاں، ملکہ آفاق کی حویلی، چتلی قبر، ترکمان دروازہ دلی دروازہ، سعد اللہ خاں کا چوک، امیر خاں کا بازار، سرراہہ بیرم خاں محلہ خولدر خاں اور کوچۂ چیلاں قابل ذکر ہیں۔

فصاحت

اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہی ہے کہ اردو کی فصاحت محض دہلوی ہونے پر منحصر نہیں ہے۔ فصاحت تنافر حروف، تنافر غرابت اور تشریح مخالف سے پاک ہوتی ہے۔ کانا کو کانڑا کہنا تنافر لفظ حروف کی مثال ہے۔

خدا بخشے میرزا علی نقی محشر مقتول نے کہا پانی الینڈلو۔۔۔ یا پانی نائے لو پوربی زبان ہے۔ انصاف کرنا چاہیئے کہ ان دونوں لفظوں میں کونسا لفظ فصیح ہے۔ مرزا قتیل نے کیا اچھی بات کہی ہے کہ پانی الینڈلو سے دہلی والے قطعاً آشنا نہیں ہیں۔ رہا پانی نائے لو تو اسے پورب والوں کے علاوہ کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا۔ ایسی صورت میں جو لفظ اردو والوں کے سننے میں نہیں آیا۔ اس کا استعمال غرابت پیدا کرتا ہے۔ کنکوے کو تکنگ کہنا بھی اسی قبیل کی مثال ہے۔ مرزا علی نقی کی زبان پر یہ لفظ چڑھ گیا ہے تو اسے پورب والوں کی صحبت کا اثر سمجھنا چاہیئے۔

الینڈلو کے بارے میں مرزا قتیل کی رائے آپ نے پڑھ لی۔ اب میری سنو، الینڈلو میں دال ہندی نے تنافر حروف پیدا کر دیا ہے۔ اس کے باوجود کثرت استعمال کے باعث یہ فصیح ہو گیا ہے۔ اور میں نے بعض فصیحوں کی زبانی انڈیل لو بھی سنا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مرزا قتیل نے میری دلیل سے اتفاق نہیں کیا اور چپ ہو رہے۔

بنگالی زبان اردو سے حد درجہ مغایرت رکھتی ہے چنانچہ جب کوئی بنگالی پانچ ہاتھیوں کو ایک جگہ دیکھتا ہے تو کہتا ہے، "پانچ ہاتھی کھڑی ہیں"۔ اگر وہی ہاتھی ہتھنیاں ہوں تو کہے گا کہ "پانچ ہتنی کھڑا ہے"۔ اور اسے روزمرہ کے مطابق پانچ ہاتھی کھڑے ہیں اور پانچ ہتھنیاں کھڑی ہیں کہنا چاہیے۔ بنگالی کی زبان میں اس قسم کی بہت سی اغلاط جائز اور مباح ہیں۔ لیکن ہم بنگالی زبان کی بات نہیں کر رہے ہیں۔

ہم نے گزشتہ سطور میں صرف کلمہ کے بارے میں بتایا ہے۔ کلمہ ایک بامعنی مفرد لفظ کو کہتے ہیں۔ جیسے، چاند، سورج، فصاحت کلام کے ذیل میں وہ جملے آتے ہیں۔ جو تنافر کلمات اور تعقید سے مبرا اور پاک ہوں۔ تنافر کلمات کی مثال یہ ہے۔

"اونٹ کی پیٹھ کچھ اونٹ اونچائی سے اونچی

نہیں ہے۔ اونٹ کی پیٹ کچھ اونٹ کی ڈھانچ کی طرح
قدرتی اونچی ہے۔ تم تو توتوں میں بلا جاکرتے ہو۔
میں تو تمہاری بات تین دن میں بھی نہیں سمجھتا مجھے عبث
ششدر میں ڈال رکھا ہے۔"

کسی جملہ میں جو لفظ بعد میں لانا چاہیے اسے اول لے آؤ تو تعقید ہو جاتی ہے۔ یہ لفظی بھی ہوتی ہے اور معنوی بھی۔ اسے اس جملہ کے ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے۔

" آج لڑکے فیض آباد کو جینا مل ہیرا نند کے سالے
کے لوگ کہتے ہیں کہ گئے "

اس جملہ کو یوں کہا جائے تو فصیح ہوگا۔

" لوگ کہتے ہیں کہ جینا مل ہیرا نند کے سالے کے
لڑکے آج فیض آباد کو گئے "

یہ تعقید لفظی کی مثال تھی، تعقید معنوی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب عبارت تخیل، غیر مشہور قصوں یا اسی قسم کی دوسری لایعنی اشکال پر مشتمل ہو۔ اس کا نمونہ یہ ہے۔

" کل گنگا سبز دوپٹہ اوڑھے بیٹھی تھی۔ مجھے
دیکھ کر کہنے لگی کہ میری طرف دیکھا تو اندھا ہو جائے گا
میں نے کہا میں کالا ناگ ہوں مجھ سے ڈرو۔ ہنس کر
کہا دوپٹہ کا رنگ تو دیکھ کر کس طرح نہ اندھا ہو جائے گا "

"بنو کی باتیں مینا کی تلوار سے ہاتھی کے زینہ
پر کچھ کم نہیں ہیں"۔
" کل داڑی سے میں نے چاہا کہ کچھ کہوں۔
اور بات بھول گیا۔ صدقے جائیے بھول چوک کے"۔
پہلے جملہ کے معنی یہ ہیں کہ سانپ زمرد کو دیکھ کر اندھا
ہو جاتا ہے گنا طرف ثانی کو سانپ اور اپنے دوپٹہ کو زمرد
ٹھہراتی ہے۔ دوسرے جملے کی تشریح یہ ہے کہ راجپوتانہ
کی ایک قوم کا نام مینا ہے۔ وہ عام طور پر چوری اور ڈکیتی
کی مرتکب ہوتی ہے۔ ہاتھی کی پیٹھ پر مینا کا تلوار مارنے
کا اشارہ، سورج مل جاٹ کے بیٹے جواہر سنگھ کے
قتل کی طرف ہے۔ جواہر سنگھ ہاتھیوں کی لڑائی دیکھنے کے
بعد اپنے ہاتھی پر سوار ہو رہا تھا کہ ایک مینا نے تلوار مار
کر اسے ہلاک کر دیا۔
آخری جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ داڑی میری باتیں سننے
کے لئے کھڑی تھی۔ میں مقصود بھول گیا۔ وہ کھڑی رہی۔ میں
اپنی بھول پر کیوں نہ قربان جاؤں کہ اس کی بدولت وہ دیر
تک میرے سامنے کھڑی رہی۔
قصہ مختصر یہ کہ جن لوگوں کا کلام ان نقائص سے پاک
ہے وہ بلاشبہ فصیح اور بلیغ ہیں۔ خواہ ان کی پیدائش دلی کی ہو۔

یہ لوگ الفاظ میں تصرف کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ الفاظ میں تصرف وہی شخص کرسکتا ہے۔ جس کا مولد دلی ہو۔ دلی کے فصیحوں میں خود کو مستند ٹھہرا کر کوئی محاورہ ایجاد کرے یا کسی لفظ یا جملہ میں تصرف کرے تو بعض لوگوں کے لئے یقیناً قابل قبول ہوگا۔

☆

بعض خواص:

دلی کے خواص کا تصور اس ثبوت کے بغیر ممکن نہیں کہ ان کا مولد دلی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بعض تصرف شدہ الفاظ قبول کر لئے گئے ہیں۔ اردو، الفاظ کی حد تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس میں اردو بولنے والے کا لب و لہجہ بھی شامل ہے۔ ایسی صورت میں جس شخص کی اردو اور لہجہ دونوں درست ہوں وہی صاحب زبان سمجھا جائے گا۔ دلی کے بیشتر عوام کا لہجہ درست ہے۔ لیکن وہ الفاظ غلط استعمال کرتے ہیں۔ بعض بیرونی لوگوں کے الفاظ تو ان کی صحبت میں درست بھی ہو گئے ہیں۔ لیکن ان کو صحیح لب و لہجہ نہیں مل سکا ہے۔ اگر دلی والے اپنی زبان میں پنجابی اور پوربی لہجہ نہ شامل کریں تو ان کا اپنا حقیقی لہجہ برقرار رہ سکتا ہے۔ کوئی بیرونی شخص، اردو درست کہنے کی لگن میں پوری عمر بھی بتا دے تو یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنا لب و لہجہ بھول جائے۔ دہلی کے باشندے یوں گفتگو کرتے ہیں۔

" مجھ تیئں اس بات کی کیا خبر، یہاں کون کون رہتا
ہے۔ اور جانے میری بلا کر کسی ایسی تیسی کا دو پٹہ اور
دو روپے جاتے رہے اور کون کا فریب پر لے گیا۔
جس پر چوری ثبوت ہو۔ اس کی شوق سے لیڑا اتار لو
اور مشکاں باندھ کر چابک لگاؤ۔"

اس عبارت میں، مجھ تیئں، ثابت، مشکاں اور چابک، سب پنجابی زبان کے الفاظ ہیں۔ اس کے باوجود بولنے والے کا لہجہ درست تھا۔ وہ روانی میں کہہ گیا۔ ایسی صورت میں ہم اسے اردو سے خارج نہیں سمجھ سکتے، یہ ضروری نہیں کہ وہ پنجابیوں میں رہے اور پھر ان کے الفاظ سے ناآشنا ہو۔

پنجابی دراصل وہ شخص ہے جو اپنے لہجہ سے اردو کے الفاظ کو بھی پنجابی بنا لیتا ہے۔ وہ اپنی افتادِ طبع کے ہاتھوں خبر کی ب کو ساکن کرنے یا اس کو پیش سے ادا کرنے کے لئے مجبور ہے۔ اسی طرح وہ ترحم کی ح کو بغیر تشدید کے کہے گا۔ اور اسی طرح ہو، اس کے نزدیک ہووے بن جائے گا۔ ہووے اردو میں بھی درست ہے۔ لیکن پنجابی ہمیشہ ہووے ہی کہتا ہے۔ ایک اردو داں پنجابی کی اردو کا نمونہ یہ ہوگا۔

" مجھے اس بات کی کیا خبر کہ یہاں کون کون رہتا
ہے۔ اور جانے میری بلا کر کس ایسی تیسی کا دوپٹہ

اور دور دوپے جاتے رہے ہیں اور کون کافر بے پیر
لے گیا ہے۔ جس پہ چوری ثابت ہووے اس کی شوق
سے لپوٗ اتار لو اور مشکاں باندھ کر کوڑے لگاؤ۔"

پنجابیوں کے لب و لہجہ کی خصوصیت کو یوں بھی سمجھا جا سکتا
ہے کہ ان کی زبان پر ہر زبر پیش ہو جاتا ہے۔ ان کے لب و
لہجہ کو جاننے کے لئے ذیل کی عبارت پڑھیئے۔ تمام تر اردو
ہے پھر بھی اپنے لب و لہجہ کے اعتبار سے پنجابی معلوم دیتی ہے

"آپ کا کرم ازلیس کہ میرے حال اوپر ہے
جی چاہتا ہے کہ ہر کوچہ و بازار کے اندر دُختر دفتر آپ
کی صفت اور ثنا بیان کروں۔ ایسے مقبول کی خدمت
اپنی نجات کا سبب ہے"

پنجابی بسا اوقات متحرک الفاظ کو ثلاثی مجرد ساکن میں بھی
ادا کرتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے۔

"حسنؓ اور حسینؓ کی ایسی ذات ہے کہ جن کے
پیغمبر خدا اشتر بنے تھے۔ اور باغ ارم ان کے
غلاموں کا گھر ہے۔ قضا و قدر جو چاہے سو ہووے
نانا جنھوں کا محمدؐ اور پدر علی مرتضیٰؓ اور مادر فاطمہ
کس کے پسر کا منھ ہے جو ان سے برابر ہووے"

پورب والوں کے لہجہ میں چند باتیں ایسی ہیں کہ وہ ان

کی بدولت فوراً پہچان لیئے جاتے ہیں۔ ان کو اس الف کو گرانے کی عادت سی ہے۔ جو ماقبل حرف آتے ہیں۔ اسی طرح وہ یائے معروف کی جگہ یائے کسرہ ہی کو درست سمجھتے ہیں۔ اکثر جگہوں پر الف کے بعد ی ساکن بھی ان کی زبان سے ادا ہوتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ کسر اور مخفف کی جگہ مشدّد بھی کہتے ہیں۔ پھر ان کی گفتگو میں ہندی لفظوں کے بدلے۔ فارسی لفظوں کی بڑی کثرت ہوتی ہے۔ ذیل میں ہم دلّی کے اس باشندہ کی گفتگو پیش کر رہے ہیں۔ جس نے اپنی زبان میں پوربی الفاظ کو بھی داخل کر لیا ہے۔

"پھِٹے منہ تیرا چِڑیا کے، کل یاروں سے
چوری چوری نندا بنیے کی بیٹی سے باتیں کر رہا تھا
حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام کی قسم میں نے اپنی
آنکھوں سے دیکھا۔ جی میں آیا تھا کہ پیچھے سے آکر
ایک دھاپ لگاؤں لیکن میں نے کہا کہ یار ہے کیا ستاؤں
اصل تو یہ ہے کہ بچہ جی تم بڑے بے باک ہو تمہاری
پیٹھ ٹھوکا چاہیے۔ اور آٹھ آنے کی مٹھائی رکھ کر
شاگرد ہوا چاہیے کوئی پتر یا بھی مکہ میں تیرے برابر نہیں۔
اس دن بھی برگد کی پیڑ تلے کنجڑن کو رکھنا تیرا ہی
کام تھا۔ کیا مدار کا دودھ پانی میں ملا کے کمال
دکھایا ہے"۔

اب اسی مذکورہ عبارت کو ایک پوربی اردو داں کی زبانی سنیئے۔ اس کے کلام میں پورب کا ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ پھر بھی وہ اس طرح کہے گا۔

"پھٹے منہ تیرا چڑیا کے، کل یاروں سے چوری چوری نندا بنیے کی دختر کے ساتھ باتیں کر رہا تھا حضرت شاہ مرتضیٰ علی کی قسم میں سنے اپنی چشموں سے دیکھا۔ جی میں آیا تھا کہ پیچھے سے آپ کے ایک دھاپ لگاؤں لیکن میں سنے کہا کہ یار ہے کیا ستاؤں۔ اصل تو یہ ہے کہ بچہ جی تم بڑے بے باک ہو۔ تمہاری پیٹ ٹھوکنا چاہیئے۔ کوئی کنچانی بھی مکر میں تیرے برابر نہیں۔ اس دن بھی برڈ کے پیڑ تلے کنجڑن کو رکھنا تیرا ہی کام تھا۔ کیا آک کا شیر پانی میں ملا کر کمال دکھایا ہے"!

فیروز آباد، شکوہ آباد اور اٹاوہ کے رہنے والوں نے اردو زبان دانوں سے سیکھی ہے۔ ان کا لہجہ سب سے الگ اور ان کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ میں کا تلفظ اس طرح ادا کرتے ہیں۔ جیسے کوئی بکرا کہہ رہا ہو۔ یعنی م مکسور، یائے مجہول اور نون غنہ۔ یہ۔ مہ۔ کہہ۔ جہل، زہے، فہے، وہ، زبر کے ساتھ ادا ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی عادت ہے کہ وہ انہیں زیر کے

ساتھ ہی ادا کریں ۔ اسی طرح وہ اٹاوہ کو اٹایا کہتے ہیں ۔ ایسے ہی لوگوں میں ایک دوست ستائیس سال رہا ہے ۔ جب اس نے دلی سے ہجرت کی اور اپنی برادری والوں میں پہنچا ۔ تو خود کو دہلوی ظاہر کیا ۔ اس کی کیفیت یہ تھی کہ وہ جس مجلس میں شریک ہوتا اور خود ہی کہتا اور دلی والوں کی صحبتوں کے تذکرے بیان کرتا تھا ۔ عوام کی اس کے سامنے یہ حالت تھی کہ وہ خود کو قصباتی اور اس کو دہلوی سمجھکر اس کی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور ہمہ تن گوش ہو کر اس کے اذکار سنتے تھے ۔ ایک دن اس نے یہ تقریر کی ۔

ایک دن میں چار گھڑی دن رہے ۔
میں گھر میں بیٹھا تھا کہ ایک آشنا تشریف لائے اور کہا کہ چلو چاندنی چوک کی سیر کریں ۔ میں نے کہا کہ بہت بہتر ۔ القصہ میں ان کے ساتھ خراماں خراماں ہوری تک گیا ۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک پری پیکر ایک بانکے کے ساتھ کھڑی اختلاط کر رہی ہے ۔ میں نے دل میں کہا کہ خدا خیر کرے کہ اس عرصہ میں بھائی جان کی قسم ہے کہ ان نے بھی میری طرف دیکھا ۔ امیر المومنین کی قسم کہ جس وقت نگاہ اس جادو نگاہ کے ساتھ نگاہ میری

کہ ہم نگاہ ہوئی تو اس وقت مجھ کو اپنی نگاہ کا نگاہ
رکھنا مشکل ہوا۔ میں نے کہا کہ ارے دل اس میں
بہبود تیرا نہ ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ یہاں سے بھاگا
چاہئے۔ والا کہتر و مہتر کی آنکھوں میں حقیر ہو جائیگا
رہنا اس شہر کا دوبھر ہوگا۔"

ان بیانوں کی روشنی میں یہ کہنا غلط ہوگا کہ جو شخص، دلی
سے باہر پیدا ہوا ہو وہ اردو زبان اور اس کا لہجہ سیکھ لے اور
اس کا تصرف اور کلام لوگوں میں مقبول ہو۔ اہل فراست ہر شہر میں
موجود ہوتے ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ ہر فن شریف کا سیکھنا ان کے
لئے مشکل ہو۔ چنانچہ یہ چشم دیدبات ہے کہ محض فارسی کتابوں
کے ذریعہ علم حاصل کرنے والے بڑے پائے کے شعرا ہندوستان
میں پیدا ہو چکے ہیں۔ ایسی صورت میں علوم وفنون کو محنت
سے اور کوشش سے حاصل کیا جا سکتا ہے تو پھر ان کے لہجہ
اور زبان کی درستی کا اقرار کرنے میں دہلویوں کو کونسا امر مانع
ہے۔ اس سلسلہ میں زبان دانی کی ان چار شرطوں کو ذہن نشین
رکھنا ضروری ہے۔ وہ یہ ہیں۔

۱۔ والدین کا دارالخلافہ کی خاک پاک سے ہونا۔

۲۔ اس نے اردو دانوں کی صحبت اٹھائی ہے۔

۳۔ اردو کی تحصیل اور تحقیق کا اسے شوق ہے۔

۴۔ تیز ذہن اور قادر طبع ہو۔

بیرونی لوگ اردو صحیح اور درست کہتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کا لہجہ دہلویوں کا سا نہیں ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی دلّی میں بڑی کثرت ہے۔ چنانچہ میں نے آج تک ایک بھی شخص ایسا نہیں دیکھا جو بیرونی ہو اور لب و لہجہ درست رکھتا ہو۔ یہاں یہ بات بھی بتادوں کہ اہل دہلی کی قوت طبع بیرونی لوگوں کے مقابلہ میں بہت تیز ہے۔ وہ اگر چاہیں تو مغل بن جائیں۔ وہ فارسی اس لب و لہجہ میں ادا کرتے ہیں کہ خود ایران والوں کا دھوکہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کی عربی دانی، ان کو عرب ثابت کرتی ہے جہاں عربی اور فارسی کی یہ بساط ہو۔ وہاں پوربی، پنجابی، بنگالی، دکنی، بندیل کھنڈی، مارواڑی، برجی اور دوسری زبانوں کا ذکر فضول ہے۔ ان کی قوت اختراع و ایجاد اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ انھوں نے کئی دلچسپ زبانیں بنائی ہیں۔ اور وہ باہم ان ہی میں بات چیت کرتے ہیں۔ یہ بڑے بوڑھوں ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ میں ان کھلنڈرے بچوں سے بھی واقف ہوں۔ جنہوں نے اپنی زبانیں اور کھیل الگ ایجاد کئے ہیں۔ ان نئی زبانوں میں ایک زبان زرگری کہلاتی ہے۔ وہ کسی شہر کی زبان نہیں ہے بلکہ بعض ذہین لڑکوں نے ہر دو حرفی لفظ کے درمیان ز بڑھا دیا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے:

" اناج مزیر زاجزی یزوں چزا ہتزا ہزسے
کہ بزی گون نزا کزے گھزر جزا کزے ٹزک دزلی
بزرلزا وزدوں"

ان نافہم جملوں کے مفہوم پر غور کیا جائے تو اصل بات یوں مشتق ہوگی کہ :

" آج میرا جی یوں چاہتا ہے کہ بی گنا کے
گھر جاکر ٹک دل بہلاؤں "

اور ایک بولی ہے۔ وہ لفظوں کی تقلیب سے بنتی ہے۔ جیسے

" ریتی بس تابیں ٹھوجھ گھنیڈی "

اس کے معنی :

" تیری سب باتیں جھوٹی دیکھیں " ہونگے۔

اسی طرح ایک اور بولی یکنی کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں ہر دو لفظ کے درمیان مکبن شامل کر دیا جائے گا۔

" کیکن ، لیکنی ، میکنصر مکنی بہکینت خبکنو ب ہبکنو
تبکنی ہیکنی"

اس عبارت کا مطلب اس کے ماسوا اور کچھ نہیں ہے۔

" کالیسی کی مصری خوب ہوتی ہے "

یہ زبان جس میں مکین شامل کیا گیا ہے۔ اس کے موجد شاہ عالم بادشاہ ہیں۔

فصیح!

بعض زبان شناسوں کی رائے میں شاعروں کا کلام عام لوگوں کے مقابلے میں فصیح ہوتا ہے۔ بعض لوگ وزن کی پابندی اور قافیہ کی رعایت کو دیکھتے ہوئے اس سے انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ میر تقی میر نے مینھ کو بیش کے وزن پر باندھا ہے۔ اسی طرح ان کے شعروں میں بھیجک کی بجائے بھجک آیا ہے۔ مرزا رفیع السودا بھی اپنے لیک، جھجک والے قصیدے میں کنک بضرورت قافیہ استعمال کر گئے ہیں۔ کنک اردو کا لفظ نہیں ہے۔ کنک کا استعمال صرف ایک مرثیہ گو، شاعر سعداللہ سکندر کے ایک مرثیہ میں ملتا ہے۔ وہ مرثیہ انھوں نے مارواڑی بولی میں لکھا تھا۔ اس کے پہلے بند کا مصرعۂ اول یہ ہے۔

"کانیں کہی اب مہاکوں خدایاں گھتی کنک چڑھ دہائی چھے کنک"

سعد اللہ سکندر کے مرثیہ کی سند کافی نہ ہو تو پھر بخت سنگھ مارواڑی کی نثر کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ ایک دن فیض آباد میں ایک امیر زادہ سے اپنا احوال یوں بیان کرنے لگے۔

"مہنے تو ایٹھاں نہیں ڈھردن سجھے نہیں
مہنی کی شمار کی جائڑے کو مہیں کنک مال ریڑی
والو نہیں راہڑی کے پاس سونڑی والو۔"

مرزا رفیع السودا ہی کا ذکر چل نکلا ہے تو یہ بھی سن لیجئے کہ انھوں نے رائے ہندی کو رائے مہملہ بنا کر اپنے ایک مطلع میں قافیہ کر دیا ہے۔ حالانکہ ٹھوڑا اور ٹھوڑی کو کوئی بھی، ٹھورا اور ٹھوری نہیں کہتا ہے۔

ساق سیمیں کوتری دیکھ کے گوری گوری
شرم سے شمع ہوئی جاتی ہے ٹھوری ٹھوری

ان اسباب کی بنا پر شعرا کے کلام سے فصاحت کی سند پیش کرنا غلط ہے۔ اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ شعرا عام آدمیوں کے مقابلہ میں زیادہ فصیح ہوتے ہیں۔ میں نے ابھی بتایا ہے کہ وہ ضرورت قافیہ اور ضرورت وزن سے مجبور ہو کر اپنے شعروں میں ایسے بھی الفاظ استعمال کر جاتے ہیں جو زبان اردو کے منافی ہیں۔ ان کے شاگردوں اور مقلدوں کے بس کی یہ بات نہیں ہے کہ وہ یہ جان لیں کہ فلاں لفظ اردو کا ہے اور فلاں کسی اور

زبان کا۔ اور پھر ان کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی ہے کہ، فلاں لفظ عمداً کلام میں جائز رکھا گیا ہے۔ اور فلاں لفظ اجتہاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ استاد کے شعروں میں جو کچھ بھی رطب و یابس دیکھتے ہیں اس کو بہتر اور درست سمجھتے ہیں، ان شاگردوں اور مقلدوں کی مثال ان دلی والوں کی سی ہے جو ایک مغل کے کلام میں جو کچھ دیکھتے ہیں اسی کو فارسی جان لیتے ہیں۔ انہیں اس سے بحث نہیں ہوتی ہے کہ مغلوں کی زبان میں سریانی کے کتنے الفاظ شامل ہیں اور ترکی کے کتنے۔ ان باتوں سے میرا مقصد یہ قطعی نہیں ہے کہ میں مرزا رفیع السودا، اور میر تقی میر کے شاعرانہ مرتبہ کو کم کروں۔ میر تقی میر آگرہ میں پیدا ہونے کے باعث وہاں کا لہجہ اور گوالیار کے کئی ایک الفاظ دلی میں لے آئے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے کئی نامعقول الفاظ کو اپنے شعروں میں استعمال نہیں کیا ہے۔ جیسے منے، منے کسی زمانے میں درمیان کے معنی دیتا تھا۔ اسی منے کو، میاں آبرو نے یوں استعمال کیا ہے۔

" بر منے جامہ نہ تھا اک جھولی تھی "

سرتجن، پی، پیتم، سجن، تپنک کو منے کے قبل کے الفاظ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ ان لفظوں کو سب ہی شعرا نے بلا تکلف برتا ہے۔ اور پھر وہ دیکھو اور دیکھا گیا کی بجائے دکھو اور دِتھا

بھی بر ملا کہتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی میر اثر نے اپنی ایک مثنوی میں دسا استعمال کیا ہے۔ اسی طرح خواجہ میر درد تلوار کی بجائے تروار استعمال کرتے تھے۔ نہیں معلوم اس میں کیا مصلحت تھی۔ اس کے باوجود یہ مسلم ہے کہ ان ہی حضرات نے اردو کو صحیح اور درست بنا کر مثالی حیثیت میں پیش کیا ہے۔ سے کی بجائے ستی سیتی، اور میرا دل کی بجائے مجھ دل کہنے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا ہے۔ چنانچہ رفیع اسودا کے داسوخت کے پہلے ہی بند میں "ستی" کا لفظ دھنسا ہوا ہے۔

یا الٰہی میں کہوں کس ستی اپنا احوال
زلف خوباں کی مرے دل کی ہوئی ہے جنجال

آپ نے اس شعر میں ستی کا استعمال دیکھ لیا۔ اسی طرح کئی بندوں میں سیتی بھی استعمال ہوا۔ اب مجھ دل کو بھی دیکھئے۔

گرہ لاکھوں ہی غنچوں کی مبارک دم میں کھولے ہے
نہ سمجھیں تجھ سے اے آہ سحر مجھ دل کی گلی جھڑیاں

محبوب کی جمع محبوباں، درست ہو تو ہو، لیکن میرے نزدیک کراہت سے خالی نہیں ہے۔ اس مصرعہ میں " محبوباں " کا لفظ کس قدر ناگوار اور گراں ہے خود محسوس کیجئے۔

"ہاتھ سے جاتا رہا دل دیکھ محبوباں کی چال" لیکن یہی لفظ اپنے اصلی محل

استعمال پر کس قدر خوبصورت معلوم دیتا ہے۔ یہ محلِ استعمال دیکھئے:

"زلفِ محبوباں ہوئی زنجیر پا"

میں گزشتہ سطور میں کہیں درج کرچکا ہوں کہ دلّی کے باشندے قوت تقلید میں اپنا جواب نہیں رکھتے ہیں۔ چنانچہ مرزا معز فطرت جو ایران کے ایک ذی مرتبت اور عالم شاعر تھے انھوں نے ریختہ میں قابل ملاحظہ مطلع کہا ہے۔

از زلفِ سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے
در گلشنِ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

اسی طرح قزلباش خاں امید کو دیکھ لیجئے۔ وہ ایرانی ہونے کے باوجود دلی سے اتنی گرم جوشی رکھتے ہیں کہ انہیں ہندی موسیقی کا ماہر خیال کیا جاتا ہے۔ جب کبھی ان کی طبیعت موزوں ہوتی وہ ریختہ کو اپنی جولاں گاہ بناتے تھے۔ لیکن ان کی یہ موزونی طبع کتنی بدمزہ اور تلخ ذائقہ ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ ان کے اس شعر سے ہوگا۔

بامن کی بیٹی ایک مری آنگ مری پڑی
غصہ کیا وگالی دیا ہور دگر لڑی

غازی الدین عماد الملک جس کا مولد بندیل کھنڈ تھا۔ حج کرنے گیا تو اس کا طمطراق صوفیوں اور درویشوں کا سا تھا اس نے

بڑی تکلفی سے خود کو بصرہ کا باشندہ بتایا۔ اور ایک عرب کے یہاں اقامت اختیار کرلی۔ اس نے خوب آؤ بھگت کی اور اسے یہاں دس دن تک مہمان رکھا۔ میزبان کے رشتہ داروں، عزیزوں، اور دوستوں نے یہ نہیں تاڑا کہ وہ بصرہ کا باشندہ نہیں بلکہ ہندوستان کا وزیر ہے۔ اس کی عربی زبان میں گفتگو اور لہجہ کی صحت کی داد نہ دینا ناانصافی ہوگی۔

کشمیر کے سادھو جس شہر میں جاتے ہیں۔ اسی شہر کا لباس پہن کر دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ جن کا مولد کشمیر ہو ان کو پہچان لینا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ رہے دوسرے کہ ان کا مولد دلی ہے وہ شہروں شہروں گھومتے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی ان کی اصلیت سے آگاہ نہیں ہوتا ہے۔ وہ عرب کی مجلس میں، عرب، ایرانی کی صحبت میں ایرانی، تورانی کی مجمع میں تورانی اور فرنگی کے سامنے فرنگی بن جاتے ہیں۔

کسی کا دہلوی ہونا اس بات پر موقوف نہیں ہے کہ وہ دلی میں پیدا ہوا ہو۔ اگر یہی جواز ہو تو پھر مغل پورہ کے رہنے والے اور بارہہ کے سید تمام دہلوی کہلائیں گے۔ دہلوی سے ہماری مراد وہی شخص ہے جس کا روزمرہ دہلی کا ہو۔ ورنہ مغل پورہ والوں کو دیکھو، ان کی گفتگو لاہور والوں سے ملتی جلتی ہے۔ سادات بارہہ کی زبان پر ان کے قصبہ کی زبان کا گمان ہوتا ہے۔ ایسی صورت

میں دہلوی وہی اشخاص کہلائیں گے۔ جنہوں نے زبان کو مانجھا ہے۔
نفیس مذاق ہیں۔ موزوں لباس ہیں۔ اٹھنے بیٹھنے کا سلیقہ، اور
مکان کی آسائش اور زیبائش کا خیال رکھتے ہیں۔ وہ دلی میں
رہیے یا کہیں باہر چلے جائیں، دہلوی ہی ہوں گے۔ جیسے لکھنؤ
کے لوگ۔ اگرچہ ان کی زبان ایک دو لفظوں میں دہلی والوں
سے اختلاف رکھتی ہے۔ اس کے باوجود ہم ان کے اوصاف
کی بنا پر انہیں دہلوی ہی کہیں گے۔

دلی کے بخلاف، لکھنؤ کا ہر محلہ فصیحوں کی آبادی ہے
لکھنؤ والے اس بات کا بہت خیال رکھتے ہیں کہ وہ پورب میں
رہتے ہیں مبادا ان کی زبان نہ بگڑ جائے۔ چنانچہ مختلف
لفظوں کی تحقیق کرنا ان کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ لکھنؤ
میں فصاحت کے پھیلنے کا ایک اور سبب بھی ہے۔ وہ یہ ہے
کہ تباہی اور بربادی کے باعث دلی کے بہت سے فصیحوں نے
اسے الوداع کہا۔ اور لکھنؤ کو اپنا دارالقرار بنالیا۔ چنانچہ
یہاں فصیحوں کی صحیح تعداد کا شمار ممکن نہیں۔ چنانچہ آج کل دلی
میں رہنے والے فصیحوں کا جو شور ہے اس میں فصیحوں کی تعداد
بہت کم ہے۔ ایسی صورت میں جو لکھنوی ہیں ان ہی کو فصیح،
سمجھنا چاہیئے۔ غیر فصیح وہ لوگ ہیں جو دوسرے شہروں
سے آکر لکھنؤ میں آباد ہوگئے ہیں۔ ان میں بیشتر وہ ہیں جو ان

زعم میں رہتے ہیں کہ ان کے لئے دہلوی ہونا ہی ان کی فصاحت کے لئے کافی ہے۔ ان میں ان لوگوں کو بھی شامل کر لینا ناگزیر ہے جو زبان کی بجائے سواری، بانک، پٹہ، لکڑی اور نیزہ بازی کو ترجیح دیتے ہیں۔ انھوں نے اپنی والدین کی زبانی جو الفاظ سنے ہیں انہیں دہلوی لفظوں کے ساتھ منسلک کرکے ایک اور زبان بنائی ہے ان کے لئے فصاحت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں ہمیں بادشاہوں، امیروں، درباریوں اور ان کے حاضر باشوں سے زبان کی سند لینا چاہیئے۔ کیونکہ، فقیہ، شاعر، ریاضی داں، محاسب، مغنی، طبیب، معالج، صوفی اور خوبصورت عورتیں، سب ہی ان کی سرکار سے وابستہ ہوتی ہیں۔ اور کیپسر فرقہ فرقہ کی اصطلاحوں کا موازنہ کیا جاتا ہے۔ پھر ان کے حضور بہت کچھ سوچ سمجھ کر بات کہی جاتی ہے۔ اس لئے کسی غلط لفظ کے رواج پانے کا بہت کم سوال پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح فیشن کی تبدیلی اور تغیر بھی ان ہی کے طرز آداب پر موقوف ہے چنانچہ، سنترہ کو رنگترہ، بلبل کو گلام، تیتر کو گلسرا، اور سرخاب کو سرخ سرا محمد شاہ نے کہا اور پھر وہ سند بن گیا۔ ان تمام دلیلوں کے بعد مجھے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ جناب عالی نواب سعادت علی خاں والیٔ اودھ، کی ذات بابرکات کی زندگی میں تقریر مقامات حریری یاد دلاتی ہے۔ ان کا سا فصیح زبان اور

شیریں بیاں تو سبے نہ ہوگا۔ آپ کا ہر جملہ لطیفہ ہوتا ہے۔ کیا تجنیس، کیا ایہام، کیا طباق۔ کیا ترشیح اور کیا تخالفِ ضدین۔ حالات نے فرصت دی تو میں انشاء حضور کے لطائف جمع کر کے پیش کروں گا۔

غازی الدین عماد الملک مرحوم کا ذکر بھی ضروری ہے کہ وہ اُردو کے بعض قاعدوں کے موجد ہیں۔ ان کی قوت طبع کو نواب سعادت علی خاں کی طبع عالی سے وہی نسبت ہے کہ جو کنویں کو دریا سے یا دریا کو سمندر سے ہوتی ہے۔

عماد الملک کے زمانہ میں دلی کی پوشاک جو تھی، وہی پوشاک آج بھی استعمال ہوتی ہے۔ اس کا تقابل لکھنو کی پوشاک سے کیا جائے تو ایسا معلوم ہوگا جیسے میں کانڈھلہ اور شاملی کے بنیوں کے لباس کا ایران کے لباس سے مقابلہ کر رہا ہوں۔ ایران کی پوشاک سوائے لکھنو کے اور شہروں کے لباس پر ترجیح رکھتی ہے۔ لیکن لکھنو کے زنانہ پوشاک کے سامنے ایران کی زنانہ پوشاک کی مثال ایسی ہے۔ جیسے میاں غلام رسول کے گانے کے مقابلہ میں، کسی شادی کے موقع پر بھلے مانسوں کی بہو بیٹیاں گا رہی ہوں۔ یا سرخ اطلس کے سامنے لال کھادر۔ خدا کی قسم لکھنو کے آدمیوں کی گفتگو کا دلی کے لوگوں کی گفتگو سے مقابلہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے

کہ بھاڑامل ڈھوسو کی تقریر کا نواب عماد الملک کی تقریر سے۔
لگے ہاتھوں آپ عماد الملک کی تقریر بھی سنئے۔

"اجی لالہ بھاڑامل تمہارے احوال پر باللہ کہ
ہم سخت متاسف ہوتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنی عنایت
سے تمہیں میات الوف کا مالک کیا اور اوقات تمہاری
یہ ہے کہ احد من الناس۔ جس مسلمان کو فرض کیجئے
اس کے برابر ذائقہ صاحب کا لذت آشنا نہیں
بڑا تعجب ہے کہ آدمی باوصف نیستر مغائے الٰہی سے
محروم رہے اور نام اس کا رحم و شفقت رکھے۔
ہم لوگ بھی تو اپنے ہاتھ سے بکری سوائے عید
قربان کے حلال نہیں کرتے اور یہی اشخاص صاف
کرکے گوشت بڑے آدمیوں کے مطابخ میں
پہنچاتے ہیں۔ اور بازار میں بیچتے ہیں۔ اگر تم
بازار سے لے کر کھاؤ تو کیا مانع ہے"!

بھاڑامل ڈھوسو نے کیا دلچسپ جواب دیا ہے:

"ہیں پیر و مرشد ہمارے دھرم مانہیں جیو کا
مارن بڑا دوکھ ہے۔ ہور کھانا تو ہور بھی بُرا۔ ہور
مکھا تمہاری کی بات ہے تو تم کھاؤ ند لوگ ہو۔ ہمارے
تو جو کوئی بھی چونٹی بھوسلے سے مارگیر ہے تو اسی کے

ہاتھ کا پانی بس بیونڑا عجب سہے۔ مہاڑے برشنے
تاؤ جی سیل رام تھے اونڑنے بھولے بسرے تے
مکھا کھن کھجوری دی کے باپ پر پیر رکھ دیا تھا
سو وہی کا باپ مرگیا۔ سو باباجی نے دیکھ کر فرمایا
نہوتی کے مکھا یوہ کی کیا اب دس ہزار روپے کس
کے گھرستے کاڈھوں جو اس کا دوکھ اتاروں ہور
پرمیشرنے مہاری کھاونڑ پلونڑ وا سطے کبی ڈھیر
جیچ ن پیدا کریں سہیں۔ موہن بھوگ، لوچی، کچوری
ارتی، میٹھی، سہال، کچنال، برے سبتو سے، پیاگڑی
کھڑمے۔ بالوساہی، گندوڑے، دھوئی مونگ کی دال،
دھوئی دھوئی ارد کی دال، ڈھیرے ترکاریاں، ہور
اچار۔ ہور مگد کا لڈو۔ ہور گوند کے پاپڑ جو بجو ربھی نوس
پکھر ماویں تو مکھتا نوس تنڑکی کو بھی بھول جاویں۔
بلکوں بھولے بسرے بھی کھانڑنے میں نہ آوے۔"

اس عبارت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں ہال کو ہیں
پیر د مرشد کو پیر مرشد، ہمارے کو مہارے، درمیان کو ما نہیں،
جی کو جیو، بڑا کو بڈ، دکھ کو دوکھ، اور کو ہور، کھانا کو کھاونا۔
بیں نے کہا کو مکھا، تمہاری کو تہاری، کیا کو کی، تم کو ثم، خاوند
کو کھاوند۔ چوہی کو جوشی، مار ڈالے کو مارگیرے، بنیا کو بیونڑا۔

غضب کو گجب بڑے کو بڈے، انھیں کو انڑے، بیٹی کے باپ کو وہی کا باپ، دادا کو بابا جی، فرمایا کو پھرمایا۔ بانجھ کو نپوتی۔ نکالوں کو کاڑھوں۔ خدا کو پریشر۔ بہت کو ڈھیر۔ خرمے کو کھرمے، حضور کو تجور، نوش کو نوس۔ فرمادیں کو پھرمادیں۔ کچھر کو پھیر۔ بلکہ کو بلکوں اور بھولے بسرے کہا گیا ہے۔

غازی الدین عمادالملک اور بھاڑا مل ڈھوسو کی گفتگو کا باہم تقابل ایسا ہی ہے۔ جیسے کہ کائستھوں کی فارسی کا مقابلہ اصفہان والوں کی فارسی سے کیا جائے۔ آپ مرزا صدرالدین صفا ہانی کی فارسی دانی سے کیوں محروم رہیں۔

" چرا دو سہ ماہ برما نا مہربان بجدید کہ تشریف نیاورید و مشرف نہ فرمودند۔ دو سہ دم کہ از حیات مستعار خوش بگزرد غنیمت است اما خوشی خاطر بے مجالست دوستاں کجا ؟

بہار عمر ملاقات دوستداراں است
چہ حظ برد خضر از عمر جاویداں تنہا

تنہا نہ گریۂ آدم بکار آید نہ خندہ۔ حاسد بہ دستور می آمدہ باشید۔ زندگی آدم ہمیں قال و مقال و اختلاط است۔ جناب می دانند کہ مذہب من صوفیانہ است۔ نمی دانم کہ ہندو چہ

قبح دارد و مسلماں چہ حسن، پرور بندۂ خدا و نور چشم عارف اند۔ جہاں گذراں مثل حباب نقش بر آب است، آخر ہمہ را رجوع بہ مبدا خواہد بود نزاع لفظی کہ زید بہ از عمرو است یا عمرو بہ از زید میانہ برادران نوعی چہ ضرور، سر زید بر گردنِ عمرو۔"

یہ تھی مرزا صدرالدین صفاہانی کی گفتگو۔ اس کے جواب میں لالہ مکتا پرشاد سری واستو یوں رطب لساں ہیں۔

"ہگا ہگا ایں عاجز شمو دو ماہ بہ گل گشت گلستوں بیماری پر درختہ۔ ہگا ہگا لیکن اک منبع عطوفت و احسان شربت جرل پرور عیادت را در لیغ و یشتہ ہگا ہگا۔

ما زیاراں چشم یاری داشتیم
خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

ہگا ہگا امیدم از ایشاں شکستہ شد چوں احوال آں ہبت دستگاہِ جناں مبرہن گرد دید۔ دیگریم از دوستی کے گشتن سے است، ہگا ہگا رو دیدہ را شرم ہمیں کندہ ایں کہ ہگا ہگا بر زبوں راندہ کہ ایشوں صوفی مذہب است و ہگا ہگا

تعصب نہ دارد۔ و اگر تعصب می داشتے چہ
نقصان می داشتے واکنوں کہ نہ دارد مارا چہ نفع
ازو۔ باللہ العلی العظیم و بہ امیر المومنین الیہ السلام
درست را غلام است و دو خوب را بندہ۔ و ہگا
ہگا۔ باآدم خر دماغ کارے ندارد۔ ہگا ہگا
حیف کہ دردو مود از مونہ پرسیدی آں قدر
غفلت ہم از حال دوستونت نہ شایستے۔
ہگا ہگا ایں زرسم زمانہ است کہ شکایت از
دوست کردہ می شود۔“

لالہ مکتا پرشاد کا تسھوں کے ایک جزگرسری واستو
سے تھا۔ اس کی فارسی ختم ہوئی۔ ذرا اس کا تجزیہ کرلیں۔
ہگا ہگا۔ لالہ مکتا پرشاد کا تکیۂ کلام تھا۔ وہ اس کے بغیر ایک
جملہ بھی ادا نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اپنی گفتگو میں شما کو شمو،
پرو، خستہ کو پرداختہ، جان کو جون، گلستاں کو گلستوں، شکستہ
کو شگستہ، زبان کو زبوں، راندہ کو رانیدہ، ایشاں کو ایشوں
صوفی مذہب ہستند کو صوفی مذہب است، می داشتند کو
می داشتے۔ ندارند کو ندارد۔ شما کو دوزد، علیہ السلام کو
الیہ السلام۔ دوست را غلام ہستم کو دوست را غلام است
مرد خوب را بندہ ام کو مرد خوب را بندہ۔ ندارم کو ندارد

ماہ کو موہ، ما کو مو، نہ پرسیدند کو نہ پرسیدی۔ ایں قدر کو آں قدر۔ ایں خود کو ایں تو، کہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اردو کے ایک محاورہ "منہ دیکھے کی شرم" کو فارسی بنانے کی بھی کوشش کی ہے۔ رو دیدہ نا شرم۔

مرزا کاظم اصفہانی کی گفتگو کا نمونہ دیکھئے۔

'قبلہ خیلے مشتاق خدمت بر دیم۔ ایں وقت کہ جناب از درس و تدریس فارغ شدہ اند۔ کہ چیزے ہم نہ خوردہ باشند و بعد از طعام قیلولہ ضرور است۔ اگر حکم شود حاضر باشم و اگر بفرمائید باز بہ خدمت بہ رسم۔ ہنوز کہ وہ دو در زدہ روز ایں جا ہستم چہ عرض بہ کنم کہ فلک کج رفتار دست از بازی ہا بر نمی دارد۔ والد چند روز خدمت آب و خوئے ملازماں کردم۔ چند شبہ کہ در شرح اشارات بہ خاطر داشتم و جواب آنہا اندکے عسیر می نماید بہ آسانی تمام از جناب برطرف می شد۔ وائے وائے ایں جا قدر ملازماں را کہ می داند برابر بہ یک سبزی فروش یا چونہ پز ایراں اوقات ندارید۔ قبلہ بیا بہ ولایت بہ رویم'

اس کے جواب میں مولوی عبدالفرقان یوں کہیں گے:

" ارے برہان لائیس از فصحت و بلغت آں
با ذعاں دانستی شدی کہ مولد الیثول از خوک
پوک ایراں بودی - ارے برہان لائیس او بلبل
ہزار داستاں را نعم البدل بود من با ایں فصحت
کسے فعل را ندیدہ است - ہمیں کہ او گوہر سخون
را بہ شقیۂ بیاں سفقہ - ارے برہان لائیس - من
من دانستیم کہ وے مالک زبون است - ارے برہان
لائیس من طعام را خارج می خواہم و خسپیدگی را
نمی خواہیم تا او شستے است گپ زدگی و جمیع
شکوک را ارے برہان لائیس بلک کل ماضی بالہ
پاسخ دادی خواہد شد وازیں کہ او را شوق بہ سوئے
کتب معقول ہست - ارے برہان لائیس غنچہ مخاطر
ایں کس گل گل بہ شگفت - انشاء اللہ تعالیٰ العظیم
شانۂ ولا یحاط احسانۂ - ارے برہان لائیس دیگر
چہار چہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ از قسم شعر خواہد شدن -

ہر کجا در عالم امکاں ہست گرمی صحبتی
بیگما شمع زبان شعر را دراں بزم روشن ہست "

مغل اور مولوی کی تقریر ختم ہوئی - مولوی کی تقریر تشریح
طلب ہے - اس لئے اس کی تشریح ہمارے لیئے ناگزیر تھی -

اسے بھی سن لیجئے۔

لالہ مکتا پرشاد کا تکیۂ کلام ہگا ہگا تھا۔ یہ ارے برہان لائیں اسی طور پر کہتے ہیں۔ ان کی تقریر میں یہ باتیں بڑی دلچسپ ہیں کہ انہوں نے فصاحت بلاغت کو فصحت و بلغت، دانستہ شدہ کو دانستی شدیے، ایشاں کو ایشوں، خاک پاک کو خوک پوک ایران کو ایروان، بودہ کو بودی، شما کو او، ہیچ مغل کو کسے مغل ندیدہ ام کو ندیدہ است، سخن کو سخون، من دانستم کو من دانیتم زبان کو زبون۔ نشستہ است کو شستہ است۔ گپ خواہم زا کو گپ زدگی، درد خوردہ شد کو دی خواہد شد۔ من کو ایں کس، چہ چا کو چار چہ، خواہد شد کو خواہد شدن۔ عالم امکاں کو۔ عالم امکاں، گرمیٔ صحبت کو گرمی صحبتی۔ شعرا کو شعرا بنا دیا ہے۔

اسی زمانہ کا ایک عجیب واقعہ ہے کہ میرے بعض عزیز سندیلہ گئے تھے۔ انھوں نے وہاں کے ایک معقولیوں کے جید عالم مولوی حیدر علی کی اتنی تعریف کی کہ میں ان سے ملنے کا خواہشمند ہو گیا۔ اور پھر میری خواہش بڑھتی گئی کہ میں کوئی موقع نکال کر سندیلہ جاؤں اور ان کی خدمت میں حاضری دوں۔ حسن اتفاق ہے کہ وہ خود ہی کسی ضرورت سے لکھنو تشریف لے آئے۔ اور عبدالرحمٰن قندھاری کے رسالے کے پڑاؤ کے قریب رسیا پسو میں قیام کیا۔ میں نے ان کے آنے کی نوید سنی تو

فوراً ان کی خدمت میں پہنچا۔ اور پھر برابر والوں میں اپنا اعتبار
بڑھانے کے لئے انھیں اپنا ایک غیر منقوط قصیدہ طوز
کلام سنایا۔ انھوں نے بعد سماعت میری بڑی تعریف کی۔
مجھے والد مرحوم نے منطق اور فلسفہ کی درسی کتابیں پڑھائی
تھیں۔ بدقسمتی کہ شعر کے عشق، دوستوں کی صحبت، معاش
کی فکریں میں وہ سب کچھ بھول گیا۔ ان کی خدمت میں علمی
مسائل کی جگہ شعر و سخن کی مجالس جمانا میری
تنگ ظرفی تھی۔ چنانچہ میں نے عرض کیا کہ حضور عربی۔
ہندی۔ فارسی تینوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ میری لیاقت
اتنی نہیں ہے کہ میں حضور کا کلام سمجھ سکوں۔ لیکن جو میری
لیاقت کے مطابق ہو سکتا ہے اس سے حضور ضرور نوازیں۔
انھوں نے ارشاد کیا۔ میر انشاء اللہ خاں تم سچ کہتے ہو۔ میں
عربی، ہندی، فارسی تینوں زبانوں میں شعر کہتا ہوں۔ لیکن ہر
انسان اپنی زبان پر دوسری زبانوں میں کے مقابلہ میں زیادہ
قدرت رکھتا ہے۔ اور پھر وہ اسے اپنی زبان اور لہجہ
پر ہوتا ہے وہ غیر ممکن ہے کہ دوسری زبان اور لہجہ پر
ہو۔ مجھے اپنے ہندی شعروں ہی پر اطمینان ہے میری خواہش
کے پیش نظر انھوں نے بکمال مہربانی، لغت میں موزوں
کیا ہوا قصیدہ سنایا۔ (اس کا صلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن

ان کو عطا فرمائے گا) میں نے سننے کے بعد وہ قصیدہ ان سے لے لیا۔ اس کے سننے سے روح کو ایسی فرحت ہوئی کہ کبھی نہ ہوئی تھی۔ مجھے وہ قصیدہ اس قدر پسند آیا کہ میں نے اس کو خمسہ کر لیا ہے۔ اپنے پڑھنے والوں کے لیئے اس کی دو بیتیں نقل کر رہا ہوں۔

رسول حق کا محمد نبیؐ خیر انام
اے فخر کون و مکاں تجھ پر درود و سلام

ہے امر ہم کو بھی صلوٰ و سلمو تسلیم!
ہے امتثال امر کا واجب اے مومناں مدام

کچھ دنوں بعد الماس علی خاں بہادر کے ساتھ سندیلہ جانے کا اتفاق ہوا۔ میں نے موصوف کو خمسہ سنایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور اسی وقت اس کی نقل اپنے پاس رکھ لی۔

یہ واقعہ میں نے اس لئے بیان کیا ہے کہ بعض عقل کے دشمن یہ سمجھتے ہیں کہ پڑھا لکھا آدمی شاعری کو اپنے مرتبۂ علمی سے پست جان کر اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے۔ ورنہ وہ تھوڑی سی توجہ سے جو چاہے کہہ سکتا ہے۔ غالباً اسی باعث ان بزرگوں کی زبان سے اس قصیدہ کے سے بے ربط شعر سن کر معانی کے سمندر اور نوادر کا خزانہ سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔

مرزا رفیع جاہل بھی ہوگا تو اس فصاحت اور بلاغت سے شعر کہے گا کہ حیرت ہوگی۔

قصیدۂ مذکورہ کا مصنف اپنے علم وفضل کے باوجود ایسی غلطیاں کرے گا کہ آپ تعجب کریں گے۔

سب سے تعجب خیر بات یہ ہے کہ آپ مرزا ہیں۔ آپ نے فارسی لہجہ ایران سے سیکھا۔ اردو دلّی میں سیکھی علمائے یونان، موسیقی اور ریاضی میں ماہر ہوتے تھے۔ اس لئے مولانا بھی عشاق، حجاز، بیان اور قسم کے دوسرے فارسی راگوں کو جانتے ہیں۔ اور پھر بھیروں، بھیاس — بھیرویں، للت، رام کلی، کھٹ، گن کلی، کبھٹیار، بنگھڑی، سوہا، گوجری، گندھار، اساوری، ٹوڑی، بلاوَل، الہیا، دیوگری، اور دوسرے راگ راگنیوں کو ان صبح کی راگنیوں کی طرح خیال میں رکھتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اپنے چیگاڈر صفت شاگردوں کے سامنے خیال گاکر داد چاہتے ہیں۔ جب گانے میں ٹنگ نہ ہو تو طبلہ اور سارنگی بجانے میں کیا عار ہے۔ اس مجلس کا کیا کہنا کہ جس میں علماء بہم ہوکر جوڑی پر تھاپ ماریں، ساز بجائیں۔ اور اس دھن میں تان اڑائیں۔

انظر الینا ار میاں چیرے مدالے　　ضاق المجال علینا ساوں بھی ایہکوں بلائیے

بہجرک مینڈی جان اجس بین بدینا بجویں تمہاری مانو
بھاسے :

جب کہ مولانا تمام تر تحقیق کے باوجود ریختہ کو اس صحت
درستی اور موزونی کے ساتھ ادا کرتے ہیں تو مولوی عبدالغفار
فارسی میں جو بھی گل کھلائیں کم ہے ۔

عورتوں کی زبان

دلّی کی گرہستی اور بازاری عورتوں کی زبان لکھنؤ کی اسی حیثیت کی عورتوں کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے کہ مولوی کرم الرحمٰن ملقب میاں بجّن کی ہکلی لونڈی کی زبان کا براتی بیگم اور لوتی بیگم کی زبان میں مقابلہ ہوگا۔ یا وہ میر غفر غینی کی گفتگو کوچہ بلاقی بیگم کے پری پیکروں کی زبان کے مقابل آئے۔ یا ٹھاکر بادام سنگھ ساکن راؤ تفصیل حسین خاں علامہ کے ساتھ بے تکلف گفتگو کرے۔

براتی بیگم کی گفتگو یہ ہے۔

" اری سر مونڈی باندی تو اتنا جھوٹ کیوں بولتی ہے۔ اللہ کرے تیرے بوٹی بوٹی اوپر والیاں لے جائیں۔ اڑ جائے تو ضیلا فندی میں نے کب ستیاناس گئی تیرے میاں کی جورو

کا گلہ کیا۔ کہنے والی کو علی جی کی مار ہووئے۔ ڈرتی تیرے دیدے سے۔ بیٹھے بٹھائے کیا اشغلا اٹھایا ہے۔ کبس میں چنگاری ڈال جمالو دور کھڑی۔"

موتی خانم کا کلام یہ ہے:

"اے صاحب آپ کیوں باندی بندوڑوں کے منھ لگتی ہیں۔ ایسی باتوں سنے ہوتا کیا ہے زنانحی ہم تو آگے ہی یہ بات جانتے تھے کہ اس زمانے میں غریب پر رحم کرنا اچھا نہیں ہے۔ پر کیا کریں اندر والا کم بخت نہیں مانتا۔ کیا جانئے ایسے کرتوتوں سے کیا حیتن ہوتا ہے۔ اس چڈو کا کیا دوس ہے کردہ خویش آید پیش"۔

مولوی کرم الرحمٰن ملقب میاں یحیٰؔ کی لونڈی کی زبان یہ ہے۔

"بیڈم صاحب اہٹاں تھُڈا ئے جانتا ہے۔ جو میں تجھ بھی تھے ہوں۔ توم سبھی میاں اکٹھے رہیں۔ میں تو بولوں نہ چالوں۔ جن آپ سن آئے یہ بات ٹھس ہے اور مورا نام لھس ہے۔ اہ نی ــــ ماں بانس تے دیوں میں تو جیتی ناہیں ترٹ ٹھو جاؤں تم بی بی

موری ٹاولا ہو۔ میں تو بل بل جاؤں۔ تمرٹے ٹیڑے
ٹے آسرے پر آوت راہوں۔ اور تمرڑا حدٹا بھٹ
وٹ راہوں۔ اور ٹھانم صاحب سنفد ٹاہٹن رسہے
ڈہیاں ٹی لوٹی بات با ہرٹھی تو تی اپنا ٹیباپی ہے
سو میں اب ٹالو رانی رہوں ہوں۔ جو بی بی سس
توں ٹہ بیڈم صاحبہ اور ٹھانم صاحبہ راکھٹ
رہیں۔ اور تمرڑا ڈلارٹ رہیں۔ تکٹیٹ ٹروجہ جری
ٹینو کھس ہووے وہٹی ناٹ ناٹ ڈار دمینہ
ٹامڑاں ٹی قسم اور سلم جہدیں ٹریا میں نا نہیں بولوں۔"
بی نورن کسبی کی گفتگو، میر غفر غلینی ویائی سے یوں ہوگی۔

" اجی آؤ میر صاحب تم تو عید کے چاند ہو گئے
دلی میں آتے تھے دو دو پہر رات تک بیٹھے تھے۔
اور ریختہ پڑھتے تھے۔ لکھنو میں تمہیں کیا ہوگیا
کہ کبھی تمہارا اثر آثار معلوم نہیں ہوا۔ ایسا نہ
کیجو کہیں آکھوں میں بھی نہ چلوں۔ تمہیں علی کی
قسم علی آکھوں میں مقرر چلیو۔"

میر غفر غلینی ویائی کا تعارف ضروری ہے۔ ان کی شناسائی
لطف سے خالی نہیں۔ بات کرتے وقت ' ل ' اور ' ر ' ان کی
زبان پر لون ہو جاتے تھے۔ ان کا رنگ سیہ۔ قد کوتہ۔

گردن موتی۔ کان ملیے تھے۔ پگڑی سبز۔ قند سازدی کی سی۔ اس میں گلاب کا پھول اڑسا ہوا۔ جامہ زیب۔ موٹے لٹھے کا لباس پوشاک ڈھیلی۔ چولی چھاتی پر۔ پستولیہ دوپٹہ کاندھے پر۔ دانتوں میں مسی۔ زرد بانات کی جوتی۔ اس پر سنہری تاروں کا ایک ستارہ۔ یہ تھی ان کی ہیئت گزائی۔ انھوں نے بی نورن کی باتوں کا جواب کس مزے سے دیا ہے:

"اجی بی نوغن یہ بات کیا لغماتی ہو تم تو اپنے چیوغے کی چین ہو۔ پغ کیا کہیں جب سے دلی چھوغی ہے کچھ جی افسغدہ ہوگیا ہے۔ دوغ شعغ پغنے کو جو کہو تو اس میں کچھ غلف نہیں غہا۔ مجھ سے سنیے۔ دوغ غیختے میں استاد میاں مرغی ہوئے ان پغ توجہ شاہ گلشن صاحب کی تھی۔ پھغ میاں آب غو اوغ میاں ناجی اوغ میاں حاتم پھغ سب سے بہتغ مغزا غفیع اسودا اوغ میغ تقی صاجب پھغ حغفغت خواجہ میغ دغد صاحب بغداغاہ مغفغدہ جو میغ بھی استاد تھے۔ وہ غوگ توسب مغ گئے۔ اوغ ان کی قدغ کغنے واغ بھی جان بحق تسغیم ہوئے۔ اب غکھنو کے جیسے چھوکغے ہیں ویسے ہی مشائغ ہیں اوغ دغی میں بھی ایسا ہی

کچھ چنچا ہے۔ تخم تاثیغ صحبت کا اثغ۔ سبحان نغاہ
یہ کون میاں جغئت ہیں۔ یغ شائغ کونی ونسے
پوچھے تو تمہارا غاغاغاں کس حال تیغ کہتا تھا اوغ
عصا بہارغ کا کونسا کلیام ہے۔ اوغ میاں مصحفی
کہ معلق شعوغ نہیں رکھتے اگنے پوچھے کہ غعیب
زید عمغاً کی ترکیب تو ذغا بیان کغو تو اپنے شاگغدوں
کو ہم غاہ غیکے غخنے آتے ہیں۔ اوغ میاں حسغت
آتے ہیں۔ اوغ میاں حسغت کو دیکھو اپنا عشق
بادیان اوغ شبغت انا غین کو چھوغ کے شاعغی
میں آ کے قدم غکھا ہے۔ اوغ میغ انشا اغاہ خاں
بچاغے میغ ماشا اغاہ کے بیٹے آ گئے یغی زود تھے
ہم بھی گھوغنے کو جاتے تھے۔ اب چند غوز سے
شائغ بن گئے۔ مغزا مظہغ جان جاناں صاحب کے
غوز منے کو نام غکھتی ہیں۔ اوغ سب سے زیادہ
ایک اوغ سینے کہ سعادت یاغ طہا یبٹ بیٹا انوغی
غیخنے کا آپ غوجانتا ہے۔ غنگیں شخص ہے۔
ایک قصہ کہا ہے۔ اس مثنوی کا دغیذ یغ نام غکھا
ہے۔ غنڈیوں کی بوغی اس میں باندھی ہے۔ میغ
حسن یغ زہغ کھایا ہے۔ یغ چند اس مغحوم کو

بھی کچھ شعوغ نہ تھا۔ بدغ نیغ کی مثنوی نہیں کہی
گویا سانڈے کا تیغ بیچتے ہیں۔ کھنا اس کو شعغ
مکیوں ہے۔ سانغے غوگ غکھنو کے اوغ وغی کے
غنڈی سے غیکر متغد تک پہنچتے ہیں۔

چلی واں سے دامن اٹھاتی ہوں
کغنے کو کغنے سے بچاتی ہوں

سوا اس بچاغے غنگین نے بھی اسی کے طوغ پغ
قصہ کہا ہے۔ کوئی پوچھے کہ بھائی تیغ عناغ داغ
مسخغہ۔ غیکن بچاغا پنجھی بھاغے کا عکھنے والا اغ
تیغ کا چغانے والا تھا۔ تو ایسا کہاں سے قابغ
ہوا۔ اوغ کغبانی پن جو بہت مزاج میں غنڈی بازی
سے آگیا ہے تو غنڈیوں کے تئیں یہ وغ کغنے ایک
غیختی ایجاد کی ہے۔ اس واسطے کہ بعضے آدمیوں
کی بہو بیٹیاں پڑھ کغ مشتاق ہوں اوغ ان کی
ساتھ اپنا منہ کاغا کغنے بھغا یہ کغام کیا ہے کہ
یہاں سے ہے کہ پیچھے دوغی کہا غغو۔ اوغ
غوغی غنگیا۔ اوغ نوغی غنگیا، اوغ معوغی
غنگیا اوغ مغند ہو کے یوں کہے۔ کہیں ایسا نہ ہو
کم بخت میں ماغی جاؤں۔ اوغ ایک کتاب بنائی

ہے ۔ اس میں غندیوں کی بوغی غکھی ہے ۔ اوپغ
واغیاں، چیغیں، اولغ واغا، چاند، رجغی سے
دھوبن اندغ واغا۔ دغ، اوغ سے گانے، دوگانہ
زناغی اغا یچی دوست ۔ اوغ بیغے میں جانے کا
کونسا غطف ہے ۔ کس واسطے کہ غکھنو کے گانے
واغے بھی غونڈے یا غندیاں ہیں۔ اگنغے غونڈے سے
کو دیکھو تو دوپٹے بھغوے سوغی کے بنائے
ہوئے یا وہیں رسندھ یا جنگغا یا کافی کے سوا
بھنک کان میں نہیں لیغی ۔ عجب طغح نئے بوغ
کہ فہم میں نہیں آتے گذاغا دم کسی طغح ہو جاندا
یاغ سمجھاغ بیغے دو صنعفا و علیغی محغو مجنوں
اوغ کیغے بھی دیکھو تو نئی طغح کے ۔ سغ میں
بیجان رکھے ہوے اوغ چوغی بھی رنگھغکے کی
جو تنوں کے اوپغ اوغ ازاغ کے پائنچے بھی
دھیغے اوغ جوتا بھی بغوٹی واغ غا جوغے دغشا
قوت اغا لغاہ ۔ اوغ غندیاں بھی تو پیٹ کے
سوا گانے سے غبط نہیں غکھتیں ۔ چیغے دغا یاغ
میعادے غاجاوے مخغم ناجا کبھی تو سادغی ہاگغا
دسے ۔ اوغ جاغی کی کغتی اوغ پانجامہ بھی بے تمیغے

دیکھنے پانچے اوغ ازاغ بند کا دوغ کھبنی بلا اوغ
ناچنے میں مطفق نہ بتانا نہ سین نہ بین اوغ نہ
گاتے گاتے سامنے آکے دامن پھیاغ کے مبیٹھنا
ایسی پھوہغ بے سفیقہ سب کی سب دو کوغی
کے بیغ ان کے ہاتھ سے کھانے کوجی نہیں چاہتا
اوغ جب مزے میں آویں گی تب ٹھمغی گاویں گی
اوغ ٹھمغی بھی ایسی لغی کہ نغوذ بغاہ بھغا اس
کے کیا مغنی۔ میغے گغی پوچینے یاہو ہتھیا چنھہ
کے الغو بیا موغاغوک جائیں سغداغ آیو ہو
اوراس پھوہغ پنے پنے آپ کو گغم بھی جانتی
ہیں۔ اوغ ہغ ایک لغنے آدمی سے ٹھٹھا کغنے
کومستعد ہوجاتی ہیں۔ اوغ بکھتی بھی کہتی ہیں۔مجھ
کو ایک غنڈی دیکھ کے کہنے لگی غاغاجی تم کہاں
سے تشغیف لائے ہو۔ میں نے کہا جھونٹی کی
ماں کی۔ . . . . سے۔ کہنے لگی تم قنغی لگنے ہو۔
میں نے کہا تم بھی اپنی دیغ وغست کغواغو۔
فیں فیں فیں فیں غیں۔ اوغ ایک زمانہ وہ تھا۔
کہ بی کھمیا بائی اوغ بی جمنی بائی تھیں۔ گغ امغ
جوغا ہے تو سبز انگیا۔ اوغ سبز جوغا ہے تو گغنے

انا غ رنگیا۔ اوغ ٹانگوں میں بھی تنگ۔ ازاغ
کمخاب کی ایسی کہ چاغ گھغ بیں کھینچو تو کھنچے
اوغ نیچے ہٹے۔ اوغ ناک بیں نتھ۔ اوغ کفنی
میں گغ۔ پغ تِغا خوبصوغت سا یا غوت کا
یا ہیغے کا باز مغدکا اوغ بہاغ دے غہا ہے
اوغے حسن وجماغ پغے اغے شغم کے مغ
اٹھا کے ند یکھنا اوغ بوغنا بھی تو متقوغی
بوغنا۔ اوغ مندغ طنبوغے بغیغ کبھی نہ گاتا
اوغ غوندے بھی ایسی کھگ کے کہ جس کو دیکھ
کے بغی بھی بھیچک غہ جائے۔ ساغے مغے میں
باغ کسی کے گغے میں فاختائی جوغا اوغ کسی کے
گغے میں طوطکی اوغ کس کے گغے میں غاغے۔
قطب صاحب کی رمغیوں تغغے دس یاغ جہاں
بیٹھ گغے اس کو لغایا اوغ ناچ شغوغ ہوتہاں ہغ
ایک طغف ناچتے ناچتے سین بنا کے غو لغو آکغے
بیٹھ گیا۔ ہغ ایک نے پیسے ڈب میں سے نکاغ
کغ دینے شغوغ کئے۔ مثغاچاغ لفوس جو تم
نے دیے تو پانچ لفوس میں نے بھی دیے۔ اس
طغح سے ایک چھیغے میں باغہ ٹکے بغک پندرغہ

ٹکے کما غیے اوغ بیٹھے بیٹھے۔ اسی عاغم کے
بیچے دو ٹکے تم نے ڈب سے نکاغے تو تین ٹکے
میں نے بھی نکاغے۔ اوغ کسی یاغ نے چھ پیسے
کسی یاغ نے تین پیسے تو ٹکے کی تغشکغی و مغی
ٹکے کی پاو پینغ کے حساب سے غیکے آدھی اس
غوندے کے حواسے کی۔ اوغ آدھی میں آدھی
میں ٹکغا ٹکغا سب یاغوں نے کھایا۔ اوغ کسی
آب غوری کے کناغے و غخت کی ڈاغی میں جو غاجو
لیغا ہوا ہے تو وہاں دو چاغ لیتی تزا دکھغے ہیں۔
ایک طغف کوئی صاحب کماغ عزغغ ایسی ہی
کھغا لیغتھا ہے جس کے ہغ ایک مصغع پینغ
مصغغت ٹپکتی ہے۔ ایک غزغ کے دو شعغ
تو بندے کو بھی یاد ہیں ؎

لغدے کو اغنٹ کنغ لکھنے سے جب یاغ نے جغواد کھایا
تب حجب کے بہ شکغ انسانی نام اپنا محمد غکھوایا
وغیغے ہے وصف اس گیسو کا الغو کو ہغاغ نہ کیونکہ لکھوں
مازاغ کا سغ سغما عغش پہ جا کے آنکھوں میں نوغ ہے کھنچوایا

یہی گفتگو صاف زبان میں یوں ہوگی:

" اجی بی نورن یہ کیا بات فرماتی ہو تم تو اپنے جوڑے کی چین ہو پر کیا کہیں جب سے دلی چھوٹی ہے کچھ جی افسردہ ہو گیا ہے۔ اور شعر پڑھنے کو جو کہو تو اس میں بھی کچھ لطف نہیں رہا۔ مجھ سے سنیئے ریختہ میں استاد میاں ولی ہوئے ان پر توجہ شاہ گلشن صاحب کی تھی۔ پھر میاں آبرو اور میاں ناجی اور میاں حاتم۔ پھر سب سے بہتر مرزا رفیع السودا اور میر تقی صاحب اور پھر حضرت میر درد صاحب جو میرے بھی استاد تھے۔ وہ لوگ تو سب مر گئے اور ان کی قدر دانی کرنے والے بھی جاں بحق تسلیم ہوئے۔ اب لکھنؤ کے جیسے چھوکرے ویسے ہی شاعر ہیں۔ اور دلّی میں بھی ایسا ہی کچھ چرچا ہے تخم تاثیر صحبت کا اثر۔ سبحان اللہ یہ کون میاں جرأت بڑے شاعر پوچھو تو تمہارا خان کس دن شعر کہتا تھا اور رضا بہادر کا کون سا کلام ہے۔ اور وہ دوسرے میاں مصحفی کہ مطلق شعور نہیں رکھتے اگر پوچھیے کہ ضرب زید " دیکھ " کی ترکیب

تو ذرا بیان کرو تو اپنے شاگردوں کو ہمراہ
لے کر لڑنے آتے ہیں۔ اور میاں حسرت کو دیکھو
اپنا عرق بادیان اور شربت انارین چھوڑ کے
شاعری میں آکے قدم رکھا ہے۔ اور میر انشار
اللہ خاں بیچارے میر ماشاء اللہ خاں کے بیٹے
آگے پری زاد تھے ہم بھی گھورنے جاتے تھے۔
اب چند روز سے شلعو بن گئے۔ مرزا مظہر جان
جاناں کے روزمرہ کو نام رکھتے ہیں۔ اور سب
سے زیادہ ایک اور سنیئے کہ سعادت یار طہماسپ
کا بیٹا، الوری ریختہ کا آپ کو جانتا ہے۔
رنگین تخلص ہے۔ ایک قصہ لکھا ہے۔ اس
مثنوی کا نام دلپذیر رکھا ہے۔ رنڈیوں کی
بولی اس میں باندھی ہے ہر حسن پہ زہر کھایا ہے۔
ہر چند اُس مرحوم کو بھی مطلق شعور نہ تھا۔ بدر منیر
کی مثنوی نہیں کہی سانڈے کا تیل بیچتے ہیں۔
بھلا اس کو شعر کیونکر کہیں۔ سارے لوگ لکھنؤ کے
اور دلی کے رنڈی سے لے کر مرد تک اسے پڑھتے ہیں

چلی واں سے دامن اٹھاتی ہوئی
کڑے کو کڑے سے بجاتی ہوئی

سو اس بیچارے رنگین نے بھی اسی طور پر قصہ کہا ہے۔ کوئی پوچھے کہ بھائی تیرا باپ رسالدار مسلم لیکن بے چارہ برچھی بھالے کا چلانے والا تھا۔ تو ایسا قابل کہاں سے ہوا۔ اور کراہی پن، جو بہت مزاج میں رنڈی بازی سے آگیا ہے تو ریختہ کے تئیں چھوڑ کر ایک ریختی ایجاد کی ہے۔ اس واسطے کہ بھلے آدمیوں کی بہو بیٹیاں پڑھ کر مشتاق ہوں اور ان کے ساتھ اپنا منھ کالا کرے۔ بھلا یہ کلام کیا ہے۔ یہاں سے ہے کہ پیسے، ڈولی کہارو۔ ادر بچولی رنگیا او رنگوڑی ڈنگیا اور دوڑی زنگیا مرد ہو کے یوں کہے۔ " کہیں ایسا نہ ہو کم بخت میں ماری جاؤں " اور ایک کتاب بنائی ہے اس میں رنڈیوں کی بولی لکھی ہے اوپر والیاں چیلیں، اوپر والا چاند اجلی، دھوبن، اندر والا۔ دل اور سہ گانہ، دوگانہ گیانہ، زناخی اور الایچی بھی دوست۔ اور بھیڑ میں جانے کا کون لطف ہے۔ کس واسطے لکھنو کے گانے والے بھی لونڈے یا لونڈیاں ہیں۔ اگر لونڈے کو دیکھو تو دو بجے بھڑ مرے سنولے کے

بنائے ہوئے یاد ہیں۔ سندھ یا جنگلا یا کافی
کے سوا بھنک کان میں نہیں پڑی ہے۔ عجب
طرح کے بول کہ فہم میں نہیں آتے۔

" گدا لادم داد سے کسی ہو جا ندا یار سنبھال
پیر دھوونا ولیلی مجنوں دا۔"

اور کپڑے بھی دیکھو تو نئی طرح کے۔ سر میں بیرا
رکھے ہوئے اور چولی انگرکھے کی چوتڑوں کے
اوپر اور ازار کے پائنچے بھی ڈھیلے اور جوتا
بھی پڑ چودانی دار۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اور
رنڈیاں بھی سیٹھ کے سوا گانے سے ربط ہی
نہیں رکھتی ہیں۔ " جیرے والا یار میلا دسے۔
پہلے والا یار میلا دسے ناجا وسے محرم ناجاوسے
کبھی تو ساڈی مان گوادسے۔" اور جالی کی کرتی
اور گاچ کی انگیا۔ اور دوپٹہ بھی گاچ کا اور پیٹ
بھی کھلا ہوا اور پائجامہ بھی بے قرینہ ڈھیلے
ڈھالے پائنچے اور ازار بند کا ڈولی بھی ایسا
کہ بہتی بلا۔ اور ناچنے میں مطلق نہ بتانا نہ سین
نہ بین۔ اور نہ گاتے گاتے سامنے آکے دامن
پسار کے بیٹھنا۔ ایسی پھوہڑ بے سلیقہ سب

کی سب دو کوڑی کے بیر بھی ان کے ہاتھ سے کھانے
کوجی نہیں چاہتا - اور جب مزے میں آویں گی -
تب ٹھمری گا دیں گی اور ٹھمری بھی ایسی بری کہ
نعوذ باللہ - اس کے کیا معنی ؟ " میری گلی ہو کے پھیر
یا ہو ہتھیا چڑھ کے آیو پیا مورا - لوگ جانیں مردار
آلو " اور اس پھوہڑ پنے پر آپ کو گرم بھی جاتی
ہیں - اور ہر بھلے آدمی سے ٹھٹھا کرنے کو مستعد،
ہو جاتی ہیں - اور پھبتی بھی کہتی ہیں -
مجھ کو ایک رنڈی دیکھ کے کہنے لگی -
لالہ جی تم کہاں سے تشریف لائے - میں نے کہا
کہ جھوٹے کی ماں کی ــــــ سے - کہنے لگی - تم
قلعی گر ہو - میں نے کہا کہ تم بھی اپنے دیگ درستے
کروالو - قیں قیں قیں قیں قیں - اور ایک زمانہ
وہ تھا کہ بی کھمیا بائی اور بی حمینی بائی تھیں - گلی
انار جوڑا ہے تو سبز انگیا اور سبز جوڑا ہے تو
گل انار انگیا اور ٹانگوں میں تنگ ازار کمخواب
کی ایسی کہ چار گھنٹہ میں کھینچو تو کھنچے اور نیچے ہے -
اور ناک میں نتھ اور کرتی گلے میں تکمہ خوبصورت
یاقوت کا یا ہیرے کا یا زمرد کا اور بہار دے رہا ہے -

اور اس حسن و جمال پر مارے شرم کے سر اٹھا کے
نہ دیکھنا اور بولنا بھی تو معقول بولنا اور مندل
طنبورے بغیر نہ گانا۔ اور لونڈے بھی ایسے کتھک
کہ جن کو دیکھے پری بھی ہجک جائے۔ سارے
سر میں بال۔ کسی کے گلے میں فاختائی جوڑا۔
کسی کے گلے میں طوطکی اور کسی کے گلے میں
لال۔ قطب صاحب کی رلیوں کی جھاڑی تلے
جہاں ان کو بیٹھ کر اس کو بلایا۔ اور ناچ شروع
ہوا۔ تہاں ہر طرف ناچتے ناچتے سین بیتا کے
روبرو آ کر بیٹھ گیا۔ ہر ایک نے ڈب میں سے
پیسے نکال کر دینے شروع کئے مثلاً چار فلوس
جو تم نے دیئے تو پانچ فلوس میں نے بھی دیئے
اس طرح سے ایک پھیرے بارہ ٹکے بلکہ پندرہ
ٹکے کما لئے اور بیٹھے بٹھائے اسی عالم کے بیچ
دو ٹکے تم نے ڈب سے نکالے تو تین ٹکے میں
نے بھی نکالے۔ اور کسی یار نے چھ پیسے۔
کسی یار نے تین پیسے۔ آٹھ نو ٹکے کی تنشط کی۔
ہڑی ٹکے کی پاؤ سیر کے حساب سے لے کے
آدھی اس لونڈے کے حوالے کی اور آدھی میں

ٹکڑا ٹکڑا سب یاروں نے کھایا۔ اور کسی آب رواں کے کنارے درخت کی ڈالی میں جھولا جو پڑا ہوا ہے تو وہاں بھی دو چار پری زاد کھڑے ہیں۔ ایک طرف کوئی کمال غزل ایسی ہی کھڑا پڑتا ہے کہ جس کے ہر ایک مصرعہ سے مغفرت ٹپکی پڑتی ہے ایک غزل کے تو دو شعر بندہ کو بھی یاد ہیں :-

پردہ کو الٹ کر مکھڑے سے یار نے جب جلوہ دکھایا!
تب چھپ کے بہ شکل انسانی نام اپنا محمد لکھوایا
اس پہ یہ وصف اس گیسو کا ابرو کو ہلال نہ کیونکر کہوں
مازاغ کا سرمہ جا عرش پہ جا آنکھوں میں وجہ ہے کھنچوایا۔"

❀

کچھ اور!

تفضل حسین خاں علامہ کے شاگرد نے بادام سنگھ کے خدمت گار سے یوں گفتگو کی:

" اس رئیس الاشقیا بادام سنگھ نے آپ کو کیا قرار دیا ہے کہ اوس وعظا رفہ کے ساتھ دم تساوی مارتا ہے۔ اور عواقب امور سے باندیشہ عرض ہے کہ طوالت تقاریر سے صماخ سامعین پریشان کرتا ہے زمانے کا حال علی ان حاشیٗ ہے یہ بات کچھ عقل سلیم اور ذہن مستقیم کے نزدیک استحسان نہیں رکھتی۔ غایت مافی اسباب یہ کہ سفہار دھاقین کے اذہاں قاصرہ میں دلتم ہو کہ یہ شخص اکفی و اماثل میں بڑا طنیق اور سوزعی البعی لایکل لسانہ فی الکلام ہے۔

لوفرض وسلم کہ کوئی اس کے مزخرافات پر فرط
اخلاق سے روادار ہو تو پھر بھی اس کی مساوات ان
اشخاص منیع القدر کے ساتھ مامون کے زرد بینین
کے طرح ساقین کی ستاری کے سبب ثابت نہ
ہو سکے گی۔"

بادام سنگھ کے خدمت گار نے اپنی اس گفتگو میں
بدبختوں کے سردار کو رئیس الاشقیا، سرداروں کو رؤس وعطارفہ
انجام کار کو عواقب امور۔ طول کلام کو طوالت تقاریر، کان
کے پردے کو صماخ سامعین، طرح طرح کو انحا شتیٰ، نتائج
مقصد کو غایت اقصی اسباب، گنوار کو سفہائے دہاقین،
کند ذہن کو اذہان قاصرہ، منقوش کو وشم، ہم سر کو
اکفا و امائل، خوش کلام کو علیق و ذلیق، تسلیم کیا جائے کہ
لوفرض وسلم، تیز رائے کو لوذعی الہی، زبان نہیں رکنے کو
لایکل لسانہ فی الکلام۔ بے ہودہ باتوں کو مزخرافات،
رد کو راد۔ بلند مرتبہ کو منیع القدر، مثلث کو ثلاثی، مربع
کو مساوی الساقین کے الفاظ سے ادا کیا ہے۔ اس طرح
یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بادام سنگھ عالی شان سرداروں
کے ہم پلہ نہیں ہے۔

بادام سنگھ کے خدمت گار نے تفضل حسین خاں علامہ

کے شاگرد کو اس کی گفتگو کا جو جواب دیا وہ حسب ذیل ہے:

"ہیجے صاحب۔ ایجیں ایجیں خیمین خیچیں
تیچیں تیچیں کھوکھ کو کھ کھو او کھو او کنجبیں کا
بے دیت ہو باونا بو اوئی حتو جو آیو حتو بوجتا
کہ حتو کہ آپ کو حنو ہیں۔ کنور جو تہاری اورئی
بات ہے۔ ٹھاکر باورام سنگھ آپ کو اپنو کا
جانت ہیں۔ تہاری کہی کہیے۔ عربی پارسی جانت
ہو۔ مہاراج تم سو بڑیا ندہاں کو عونا ہوں جو
آپ نے کہا سو ہم جانی ہوں تو غاعو کو حتو ہوں
پورہاں اور سمجھنے کو اچار مانگت ہو۔"
اس نا فہم گفتگو کی عام فہم صورت یوں ہوگی۔

" ہاں صاحب طعنہ کیوں دیتے ہو۔ اس
دن وہ اور ہی تھا جو آیا تھا۔ جانتا کیا تھا کر آپ
کون ہیں۔ کنور تمہاری اور ہی بات ہے۔ ٹھاکر
باورام سنگھ آپ کو اپنا بچہ جانتا ہے۔ تمہارا
کیا کہنا عربی پارسی جانتے ہو۔ مہاراج تم سے
بڑا فاضل آدمی نہیں۔ اور جو آپ نے کہا تو
میں نے جان لیا۔ میں خود آرکا رہنے والا
تھا۔ سمجھنے کا اچار مانگتے ہو۔"

میں نے سچ بات بہت چھپائی۔ اب کہے بغیر چارہ نہیں۔ جس کسی کو دعویٰ ہو، وہ دہلی کی زبان اور لباس کا لکھنؤ کی زبان اور لباس سے مقابلہ کرے۔ اگر یہ دعویٰ محض دعویٰ اور بغیر دلیل ہو تو پھر اسے ان سید بزرگ واہی مذہب والے کو یاد رکھنا چاہیے جنہیں ایک مل سے منا بتہ پڑا تھا۔ ان کو غصے کی حالت میں دیکھ کر کسی خوش باش نے پوچھا کہ میر صاحب! کس پر قیامت ٹوٹی جا رہی ہے تو آگ بگولہ ہو کر بولے۔

" قبلہ خیر است۔ ایں مرد کہ صاحب نماز و روزہ را بہ بیند کہ چہ قدر حوصلہ پیدا کردہ است کہ با ما مردم کہ از ابتدائے عمر الیٰ یومنا ہذا خدائے ایں قوم را سجدہ کردہ ایم مباحثہ می کند و دیگر ایں کہ ہر کس بہ غیر خود پسندیدۂ خود را بہ از پسند بود دیگرے مجاوا ند واز راہ نادانی بہ عیب خود را نمی رسد۔ مثل فاصدا جورہ دا ر با مستند دیدہ از لاکرم قضیۂ پورب کر کتا ہے دستے برائے تنخیص با مسونا نے ... حسب اتفاق آں بزرگ از دو ...

بخار حفیفہ ہم داشت ۔ بہ وقت رسیدن
قاصدرد مسجد از ان گفت و نماز را گزارد
مردکہ ایں حال را دید ۔ گریخت ونزد صاحب
کتابت آمدہ ظاہر نمود کہ

پن دیتو صاحب بنائے کے بحال،
ہیں کھن اکھنت کھن بیٹھت کھن دو دکنوں
ان رنگری دے کے بدری تن چتوت بردس
بھیات کو کرنا نہیں چیپات ہیں۔ کہن پنوا
سوسس دور ہتھوں سے بل دیکھے للاٹ
بھویں ہیں۔ کٹیک چوترا اٹھائے نکیار گرت
ہیں۔ ان کا تو اہر ترلاگ سہے۔ جو بیپے ودار
بری ہوسے تو دیکھ آؤ ہو سوکات سسری
اکھیں ٹیک میں تو بھاگ ٹھار ہا۔

راجی صاحب وہ تو بہت ہی برے حال
کبھی اٹھتے ہیں کبھی بیٹھتے ہیں۔ دونوں کانوں
میں انگلی دے کر، بادل کی طرف دیکھ کر بیل
کی سی آواز نکالتے ہیں۔ کتے کی طرح شور کرتے
ہیں۔ دونوں ہاتھوں پہ زور ڈال کر زمین
پہ پیشانی بگاڑ ناگ رگڑتے ہیں۔ ان پہ

نزع کی حالت طاری ہے اگر دیکھنے کا شوق ہے
تو دیکھ آؤ۔کم بخت سوغات کو زمین پر پٹک
کریں تو بھاگا ہے

اگر اس سامعہ خراش بات چیت کو فصیحوں کی برابر جگہ دی جائے تو پھر دتی کی پوشاک اور زبان اور پھر لکھنؤ کی پوشاک اور زبان کا تقابل ہی بے سود ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تو پھر ممکن ہے کہ نواب عماد الملک کی فصاحت نواب سعادت علی خاں والئ اودھ کی فصاحت کی برابری کرے جس طرح مذکورہ بات چیت کو، عماد الملک کی تقریر کے برابر ٹھہرانا غلط ہے۔ اسی طرح دہلی اور لکھنؤ کے زبان دانوں کو ایک ہی صف میں لانا غلط ہوگا۔ خوش بیانی میں عماد الملک، کو نواب سعادت علی خاں والی اودھ پر تفوق نہیں ہے جس کو اس رائے پر شبہ ہو وہ ہولی کے دنوں میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر دیکھ لے کہ راجہ اندر پریوں کے غول میں بھلا لگتا ہے یا نواب سعادت علی خاں حور زادوں کے مجمع میں۔ موتی نیساں سے برستے ہیں یا موصوف کی زبان مبارک سے۔

میں نے ابتدا میں دلی کی تعریف کی ہے اور اب اس کی

مذمت کر رہا ہوں۔ یہ بہت نازک بات ہے۔ یہ ہر آدمی کے سمجھ میں بہ آسانی نہیں آسکتی۔ نازک خیال آدمی بھی ٹھوکر کھا جائے گا۔ لکھنو کی یہ تمام خصوصیات دلی ہی کی پُر فضا بہار کی پیدا کردہ ہیں۔ اس سے میرا مقصود یہ قطعاً نہیں ہے کہ میں دلی پر لکھنو کو ترجیح دوں بلکہ میں تو احمق لوگوں کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ فصاحت اور بلاغت کے لئے دلی کی قید بیکار محض ہے۔ اردو ہندوستان کے بادشاہ کی، چند امیروں کی، ان کے مصاحبوں کی، اور چند معززات مثل بیگم خانم کی اور ظرافت کی زبان ہے جو لفظ انہوں نے کہا وہ اردو ہو گیا۔ اس کے یہ معنی قطعاً نہیں ہے کہ جو دلی میں رہتا ہے وہ جو کچھ بھی کہے سند ہے۔ اگر ایسا ہو تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ مغل پورہ والوں اور سادات بارہہ کی اولاد کی زبان کو سند نہ مانیں۔ اہل مغل پورہ اور اولاد سادات بارہہ دہلی میں پیدا ہونے اور رہنے کے باوجود اہل زبان نہیں ہے۔ اسے اپنے آبا و اجداد سے شجاعت، سخاوت، مسافر نوازی۔ اقارب پرستی اور بیرا کی ورثہ میں ملی ہے۔ ہر بزرگ سے الجھ پڑنا، ہر بزرگ کے سامنے اکڑ بنے اور گستاخی سے بات کرنا۔ اپنی شجاعت کی بل پر غرور سے کسی کی بات نہ سننا، زبان کی صحت پر متوجہ نہ ہونا اعتراض

کرنے والوں کو تلوار سے دھمکانا، اوباشوں کی وضع کو برا سمجھنا پگڑی کی بندش میں اپنے اسلاف کی پیروی کرنا۔ دلی کے خوش پوشوں کو اپنے طرز معاشرت کے منافی سمجھنا۔ ایسی باتیں ہیں جو انھیں بیرونی ثابت کرتی ہیں۔ چنانچہ ان میں یہ بات بہت عام ہے کہ وہ اپنے اسی دریست سے زیادہ خوش رہتے ہیں۔ جو دلی کی وضع قطع پر طنز کرتا ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ اس شہر کا ایک لفظ کبھی آپ کی زبان پر نہیں آیا۔ اور یہ بھی خیر گذری کہ لوگ امرا کی مصاحبت اور ان کی سرکاروں کی نوکری کو برا سمجھنے لگے۔ چنانچہ زیادہ پر آبادی۔ رہتک، گوہانہ، بڈھانہ، اندری کرنال، انبالہ، ہالنی، حصار، ہوڈل اور پلولی کی فوجداریاں لوگوں سے بھری ہوتی ہیں۔

جن کے آبا و اجداد لاہور، پشاور، کابل، غزنی، بلخ، بخارا، اور سمرقند سے آکر دلی میں آباد ہوئے تھے۔ وہ پشاوری کلاہ سر پر کج کیے اس انداز سے پھرتے ہیں کہ ان کی آنکھ چھپ جاتی ہے۔ ان کے نزدیک بھائی کو بھیا یا بھائی جان کہنا معیوب ہے، وہ بھائی کو آکا کہتے ہیں۔

سادات بارہہ کی مثنوی۔ انہوں نے بالعموم دلی کے باشندوں کو بزدل، بے وقوف اور بے وفا ہی سمجھا ہے۔ چنانچہ ان کے علاقہ۔ دلی والوں کی بجائے میراں پور۔ کٹھورہ۔

جانسٹھ، ککردلی اور بدولی کے رہنے والوں سے آباد ہیں۔
خمیری روٹی اور گاجر آلو، گوشت ان کا من بھاتا کھاجا ہے۔
اس پر بھی دلی کے امیروں کے عیب نکالتے ہیں۔ ان کے
نزدیک، دلی کے امیر آدھ سیر پلاؤ پر بیس روپے خرچ کرتے
ہیں اور خلوت میں بیگم، خانم یا محبوبہ کے ساتھ زہر مار کرتے
ہیں۔ اسی سے ہندوستان تباہ ہوا ہے۔ ایسے کھانے سے
موت بہتر ہے۔

لکھنو والوں کا ادعا یہ ہے کہ وہ اہل دلی کے مقابلہ
میں زیادہ سلیقہ مند ہیں۔ انھوں نے اپنے لئے کبھی یہ بات
بہت کہی کہ ان کا سلیقہ اہل بنگالہ سے بڑھ کر ہے۔
یا وہ کلکتہ والوں سے زیادہ فصیح ہیں۔ اس صورت میں
یہ تصور خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ ایسی کوئی خاص کشش
دلی میں ضرور ہے جو لکھنو کو اپنے مقابل لے آتی ہے۔
لکھنو والوں کے جو آبا و اجداد دہلی سے لکھنو گئے
تھے، ان کی اولاد لکھنو میں پیدا ہونے کے باوجود اپنے
کو دہلوی اور وہاں کے قدیم باشندوں کو پوربی سمجھتی
ہے۔ بعض اوقات ان سے یہ کہنا بھی اشتعال کا
باعث ہوتا ہے کہ آپ لکھنو میں پیدا ہوئے ہیں۔ اگر
ان کی زبان پر اعتراض کیا جائے اور بتایا جائے کہ

انھوں نے فلاں لفظ غلط کہا ہے تو وہ فوراً جواب دیں گے
کہ دلی میں شاہ بولا کے بڑ کے نزدیک جو بزرگ رہتے
تھے۔ انہوں نے ایسا ہی استعمال کیا ہے۔

☆

روزمرہ اور محاورے :

توتے اڑ گئے ۔ حواس اڑ گئے ۔

تمہارے لڑکے بھی کبھی گھٹنوں کے بل چلیں گے ۔ تم بھی کبھی سچ بولوگے اور راہ پر آؤ گے ۔

کافور ہو جاؤ ۔ چھچھو ہو جاؤ ، ہوا ہو جاؤ ، دکھاؤ ، معاف کرو ، دال فے عین ہو جاؤ ، رو رو زیر رو ہو جیئے ، دفع و نان ہو جیئے ، اور طرف متوجہ ہو جیئے ۔ کہاں آئے ۔ کہو تو میں گھر چھوڑ دوں ۔ فرماؤ تو قبالہ منگوا دوں ۔ یہاں سے جاؤ ۔

مرتا ہوں ۔ جی دیتا ہوں ، لوٹتا ہوں ۔ لوٹ پوٹ ہوں ۔ ہاتھ پاؤں توڑتا ہوں ۔ عشق کرتا ہوں ۔ عاشق ہوں ۔

جی چراتا ہوں ۔ کام سے پرہیز کرتا ہوں ۔

چوکڑی بھول گیا ۔ کھو گیا ۔ اور ہی کچھ ہو گیا ۔ بے حواس ہو گیا ۔

چھینٹا دیا۔ آب پاشی کی۔ دھوکہ دیا۔

بڑے پاک ہو۔ قدم آپ کے چوما چاہیئے۔ آنکھ میں تمہارے ذرا بھی پانی نہیں۔ بے حیا ہو۔

آپ بھی بزرگ ہیں۔ صاحبزادہ ہیں، عجب معصوم ہیں۔ طرفہ مجنوں ہیں، زور جانور ہیں۔ بڑے صاحب شوق ہیں۔

عقل کے پتلے ہو۔ آپ کی کیا بات ہے۔ کتنا بات کو پہنچتے ہو۔ عقل بڑی کہ بھینس۔ خوبی شعور کی۔ بل بے تیری سمجھ، تو کیا نہ ہو بدر ترجو باشد پسر لوں بود۔ ازاں پیر ہنر با ہنر چوں بود۔ آپ بھی کچھ ارسطو سے کم نہیں اپنی اپنی سمجھ ہے۔ تھوڑی سی عقل مول لیجئے تو بہتر ہے۔ ولی آدمی ہو۔ ڈال کے ٹوٹے ہو۔ زور پٹھے ہو۔ کوئی زور خدا کے بندہ ہو۔ اپنے وقت کے لا بجھکڑ ہو۔ داناؤں کی دور بلا۔ آپ کے بھی صدقہ ہو جائیے قربان اس فہمید کے۔ کیا خوب سمجھتے ہو۔

احمق ہو۔

عجب ذات شریف ہو۔ کتنے بھلے آدمی ہو۔ آپ میں بھی کوٹ کوٹ کے خوبیاں بھری ہیں۔ سب بزرگیاں تم پہ

ہی ختم ہیں۔ آپ سے بہت بہت امید ہے
ابھی کیا ہے۔ خدا آپ کو بہت سا سلامت
رکھے۔ بڑے بد ذات ہو۔

تم بھی بہت دعد ہو بہت بڑے آدمی ہو۔ بے ڈھب آدمی ہو۔
معلوم نہیں تم کون ہو۔ کہو تو سہی کیا ہو۔ کوئی قہر ہو یا
غضب ہو یا ستم ہو۔ تم سے خدا پناہ میں رکھے۔ آپ
تخفگی کیا رکھتے ہیں۔ آپ ہیں کون،

نیٹ کڈ ھب ہو۔ خوب آدمی ہو۔

پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل۔ اپنے پیشہ میں مشہور مگر اپنے
پیشہ کے سلیقہ سے دور

آنکھوں کے اندھے نام نین سکھ۔ بات کا دعویٰ لیکن اس سے
لا تعلقی۔

ہم آپ سے نہیں بولتے۔ کیوں آتے ہو۔ ہمارے پاس نہ آئیے۔
کہاں چلے آئے ہو۔ صاحب کو کس نے
بلایا ہے۔ خیر باشد۔

کدھر کرم کیا۔ یہ چاند کیسا نکلا۔ کہیں راستہ تو نہیں بھول گئے۔
گھر کو پھر جائیے۔ آپ کا گھر کہاں ہے۔ میں تو
صاحب کو نہیں پہچانتا۔ ملنے کی خوشی اور
اظہار شکایت۔

گھر کی مرغی دال برابر۔ بیٹے، عزیز، دوست، باوفا غلام، لایق کی نا قدری اور اغیار کی تعریف۔

ہزاروں بے نقط سناؤں گا۔ بہت سی گالیاں دوں گا۔

حل و جل۔ واہ واہ۔ کیا پوچھنا ہے۔ کیا کہنا ہے۔ کیا بات ہے۔
یوں ہی چاہیئے۔ کیا خوب۔ چہ خوش چرانہ باشد۔ واچھڑے۔
سبحان اللہ۔ آہا۔ ہوے بے ظالم۔ یہاں فرشتہ کے بھی
پر جلتے ہیں۔ کیا مذکور ہے۔ کہیں نظر نہ لگ جائے۔ خدا
سلامت رکھے۔ آپ کی کیا چلائی۔ رحمت خدا کی ـــ
شاباش آفریں صد آفریں۔ بارک اللہ۔ ایسی ہی با تول
سے معقول ہوئے ہو۔ اللہ اکبر۔ اللہ غنی، او ہو جی۔
او ہو۔ ہجو ملیح اس موقع پر جب کہ غیر متوقع فعل سرزد ہو

دھینگ دھینگ بلو کا راج۔ اندھیر نگری چوپٹ راج۔ حاکم اور رئیس کی بے انصافی۔

کام کیا ہے۔ قہر کیا ہے۔ غضب کیا ہے۔ ستم کیا ہے۔ عجب کام کیا ہے۔
گھونسا مار پانی نکالتا ہوں۔ لات مار پانی نکالتا ہوں۔ وہ کام کرتا ہوں جو کوئی نہیں کرسکتا ہے۔

گھر کی پتلی یا بسی ساگ ۔ بے جا شیخی کا جواب

باسی رہے نہ کتا کھائے۔ جو آیا کھالیا

آپس میں گرہ پڑ گئی ۔ دشمنی ہو گئی۔

قاضی جی تم کیوں دبلے ہو شہر کے اندیشے سے۔ یا غم اور فکر میں مبتلا ہونا
بال بال گج موتی پروئے بیٹھی ہے۔ بن سنور کر بیٹھی ہے۔
چولھے میں پڑے۔ بھاڑ میں جائے۔ بے سروکاری
چاند کو گہن لگ گیا۔ سب خوبیوں کے باوجود عیب رکھتا
اس بات میں بٹہ لگتا ہے۔ معیوب کام ہے۔
شرم بھی نہیں آتی۔ دل میں سوچو۔ کبھی شرمایا تو کرو۔ دوست کے نہ آنے کا گلہ۔

یہ منھ اور مسور کی دال۔ لیاقت سے زیادہ کام
آپ کے بھیجا ڈنڈھی کھیے دیتے ہیں۔ عورت دعوے کی شہادت نہیں دیتی کہنے سے حاصل
ایسے جی بل بے جا تیری دھج۔ آپ بھی اس قابل ہو گئے۔
کانے چوٹ کھونڈے بھیٹ۔ جس سے ملنا نہ چاہو، وہ اسی وقت مل جائے۔

حلوا خاتون۔ کٹھ پتلی

گوبر گنیش۔ گل بھتا۔ مستنڈا۔ ہٹا کٹا۔ ٹانٹھا۔ دب اکبر بھینا فیل۔ منگلوسی۔ چک پہا۔ مربع۔ چوکور۔ گینڈا۔
موٹا آدمی۔

تنکہ۔ تیتری۔ تنگا۔ سوکھا۔ دبلا پتلا آدمی

بکھر بھوزا۔ جن

چنڈول گداگر بول ۔ گانٹھ کھٹول بچھیری میرا نام ۔گھور کھنڈے
چوہے لنڈے ۔ کالے پیلے دیلو ۔ شیر بکری ۔
باگ بکری ۔ ریٹرن ۔ کبڈی ۔ وزیر بادشاہ
آنکھ مچولی کڑوا تیل بلی یا دسے وہی پھلیل ۔
چھائیں مائیں گول گھسائیں ۔ راجہ کے گھر پٹا
ہوا ۔ دوڑے آئیو کوئی ایسا بھی داتا ہے ۔
جو چڑیا کے بند چھڑائے ۔ مونگ چنا ۔ دگڈولی ڈو
میری آڑو کیوں آڑے ۔ موڑھی ٹیسو اڑے
کھیلوں کے نام ۔

کیلے والے لال ۔ چرسہ چلانے والوں کی آواز ۔
گول گول بات :۔ جس بات کے کئی پہلو ہوں ۔
موتی پروتا ہے ۔ سہانے بول بولتا ہے ۔
گھاس کاٹتا ہے ۔ تیز بولتا ہے
گل کترنا ۔ چاپلوسی کرنا ۔ فتنہ برپا کرنا ۔
ریوڑی کے پھیر میں آگیا ۔ مصیبت میں گرفتار ہو گیا ۔
چڑیا کے ۔ چڑیا والے ۔ مرغی کے ۔ مرغی والے ۔ جھانیوں کے
جھانیوں والے ۔ ڈھڈو کے ۔ ڈھڈو والے ۔ بگلولو کے
بگلولو والے ۔ کراپری کے ۔ طنزیہ حکم ۔ بے وقوف
خیر خیری دیں گے کوئی ایسا ہی داتا دے گا ۔ فقیروں کی صدا ۔

بلجے باجے اللہ محمد کا راج ۔ گھڑیاں بجانے والوں کے بول
لیو۔ پگڑی۔
ڈاب ۔ کمربند
پھرکی ۔ پدڑی ۔ پودنا ۔ کمزور
کٹھ پتلی ۔ الو کا بچہ ۔ اُلو کی دم فاختہ، اُلو دا خرا ۔ مٹی کی مورت ۔ بیوقوف
گلو ۔ چھوٹی بچیوں کی طرف
بہری ۔ بہت اچھی چیز
سوجوت ۔ جٹ
بدباندھاں ۔ قابل
پڑھے پتھ لکھ لھڑا بھٹے اینٹیں باندھ کچہری گئے ۔ کوشش کے باوجود
علم نہ آیا ۔
شوربور ۔ شرابور ۔ سر سے پاؤں تک بھیگا ہوا ۔
رنگ ہے جی رنگ ہے ۔ خوشی کا اظہار
جان چھلا ۔ خانم جان ۔ بیگمان ۔ زنانی ۔ دلوانی ، کڑ ہائی ۔ بہشت
قمری ۔ دور یار
خاص پیاری ، جان صاحب ۔ میں واری ۔ بی جی ۔ بہو جی ۔ بنو جان
گھونگٹ والی ۔ پردہ والی ۔
اے جی ، ہی ہی ۔ ہیجڑا
منوا مٹھو ۔ پیار سے بے وقوف کہنا ۔

تلخی - خام پارہ، تیتا، مرچ، مال زادی، خندی، خیکد۔ جھگڑالو عورت۔

مردہ شو کے حوالے - خدا سمجھے، کالا منھ نیلے ہاتھ پاؤں۔ نفرت اور غصّہ کے الفاظ۔

ڈوگنڈی چُنّی - تشکیک۔

سیاہی نے دبایا ہے - نیند میں باتیں کرتا ہے۔

روبین ہو جانا - تیز چلنا

دھنتر - رستم، رستم کا بچہ، تیس مار خاں، زبردست

دھنا سیٹھ - جگت سیٹھ کا گماشتہ۔ کوٹھی وال۔ گانٹھ کا پورا بھرا پرا۔ مالدار۔

شہر - دلّی

سانگ لانا - بہانہ کرنا۔

دھان پان - پان پھول۔ نازک

چھوٹا منھ بڑی بات - کام کی لیاقت نہ ہو پھر بھی کام ہاتھ میں لینا۔

حاتم کی قبر پر لات مارنا - مفلوک الحالی میں سخاوت کرنا۔

ہفتہ جکڑنے - کشتی کا ایک داؤ

دھوبی پاٹ، کلا رنگ، دھاک پر چڑھا مارنا۔ کشتی کا ایک داؤ

نوکر کو لاؤ کپور کے ہونٹ ملیں حق میں ۔ نوکروں کا مفت ، بغیر
کام کاج تنخواہ لینا

کھانا پینا گانٹھ کا نری سلام علیک ۔ امیروں کی یا التفاتی
کھلنڈرا ، اکھڑ ، ناعاقبت اندیش ۔

ماموں جی جو ہار ۔ سلام کے بدلے

پھوٹ بہا ۔ رونے لگا ۔

چھڑ یکا ہوچکا ۔ رتبہ سے گر گیا ۔

تم نے اڑائیاں ، یہاں بھوین بھوین کھائیاں ۔ تم سے زیادہ
سمجھتا ہوں

میں نے چار برساتیں زیادہ آپ سے دیکھی ہیں ۔ تم سے زیادہ
تجربہ کار ہوں

ایں ۔ کیا ، معقول ، خوبی خلطے کی ۔ کتنے گرم ہو ۔ واہ منھ تو دیکھو
آری تو ہاتھ میں لو ، خیر مانگو ۔

بہت بڑھ نہ چلو ۔ آپ کو بھول گئے ۔ نئی طرح کی گرمی ہے ۔ کچھ
شامت تو نہیں آئی ہے ۔ گھر سے لڑکر تو نہیں چلے ۔

ٹھنڈے ٹھنڈے گھر جاؤ ۔ بلی لانگ کے تو نہیں آئے ۔

صبح کس کا منہ دیکھا تھا ۔ خیر سے گھر کو سدھارو

اتنا لگ نہ چلئے ۔ باتمیز زباں دراز سے رنجش اور دوست سے
اختلاط کے موقع پہ کہے جاتے ہیں ۔

دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا۔ اللذی نہ الل لذی
ادھر نہ ادھر یہ بلا کدھر۔ بے سروپا آدمی
ہم نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ تجربہ کار ہیں۔
میں تیرا گنڈا بناؤں گا۔ تجھے رسوا کروں گا۔
پھر مانگ۔ انکار
کدھر منھ ڈالتا ہے۔ کہاں جاتا ہے۔
آپ میری جان سے کیا چاہتے ہیں۔ کیوں بات کرتے ہو۔
منھ چڑانا۔ کسی کی تقلید کرنا۔
سولھی۔ نکی موتھ۔ لونڑی۔ جواریوں کی چالیں
پہلے پانسے تین کانے۔ بسم اللہ ہی غلط۔ شروع ہی میں ہار کا پانسہ
منھ لگائی ڈومنی گائے تال بتال۔ امیر کے مصاحب کی بیہودگی۔
آئیے مل جی آئیے۔ دوستوں سے بہ تفریح ملاقات کے
موقع پر کا ایک جملہ
آنکھ کی گاکھ۔ آنکھ میں درد ہوا
بھڑوا۔ جس کے کپڑوں پر ہولی میں رنگ پڑا ہو۔
سبنے ہوئے ہیں۔ مجلس کی رونق ہیں۔ مسخرے ہیں۔
رنگا ہوا ہے۔ ذاکر اور شاغل ہے۔
جگت گرو۔ پیشوا
اویس۔ بزرگ

بھڑ بل ۔ جھنا سر ۔ کینہ

انگور ۔ زخم کا بھرنا ۔

چھاتی کا پھوڑا ۔ سوہان روح ۔

وبال گردن ۔ مخالف طبع آدمی

ٹوٹی بانہہ ۔ گل چندری ۔ نالائق بیٹا ، بھائی یا رفیق ۔

تیرے کچھ کچھن سے جڑ گئے ہیں ۔ تیرے برے دن
آ گئے ہیں ۔

میرے دل کے آج پھپھولے پھوٹے ۔ دشمن ذلیل ہوا ۔

کالا ۔ [illegible] ۔ [illegible] ۔

باولا کتا ۔ کٹ کھنا کتا ۔ بد خلق ۔

اپنی گلی میں کتا بھی شیر ہے ۔ دوسرے کی حمایت پر اینٹھ
دکھانے والا ۔

حمایت کی گدھی عراقی کو لات مارے ۔ امیروں کے اشاروں پر بزرگوں
سے گستاخی سے پیش آنا ۔

جو بولے سو گھی کو جائے ۔ حق بات کر کے سزا پائے ۔

دو ملا میں مرغی مردار ۔ دو آدمیوں کے سامنے ضرورت پیش کرنا ۔ اور
پھر ان دونوں آدمیوں کا آپس میں متفق نہ ہونا ۔

پنکی پڑی ان کی باتوں پر ۔ بے ہودہ باتوں پر خاک
ڈالی جائے ۔

چرخ چنو کے لڑکے ۔ فاحشہ کے بیٹے

کام بڑھئی کا ۔ سنجاروں کی صدا ۔

سونٹھ ہے بنیو کے رس کی ۔ سونٹ کا پانی بیچنے والوں
کی صدا ۔

سو سنار کی نہ ایک لوہار کی ۔ سو برائیوں کے عوض ایک ہی
جواب ۔

کیا بیچتے ہو ۔ کیا کھٹ راگ گاتے ہو، کیا جھک مارتے ہو ۔
کیا قصہ لگایا ہے، کیوں مغز کھاتے ہو ۔ کاہے
کو دماغ پریشان کرتے ہو ۔ کیا فضول باتیں
کرتے ہو ۔

منھ کو لگام دو ۔ زبان سنبھال کے بولو ۔ سنجیدہ بات کرو ۔

منہ دھو رکھو ۔ کام کی توقع نہ رکھو

ماں فقیرنی پوت فتح خاں ۔ مجہول النسب

تیرے بت کو رسا ۔ وہ کام کیا کہ کیا کہا جائے ۔

رانڈ کا سانڈ ۔ حرامی

ارنی خان کا سالا ۔ دھین ڈھوکر خاں کا سالا ۔ افلاطون کا
بچہ ۔ مغرور

بڑا یزید ہے ۔ بے رحم ہے ۔

دھویا دھایا احمق ہے ۔ حماقت میں تنک نہیں ہے ۔

رنج ہے۔ افسردہ ہو۔

پاؤں زمین پر نہیں رکھتا۔ مغرور ہے۔

آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ حیادار ہے۔

کوڑہ میں کھاج ۔ مشکل میں مشکل

کریلا اور نیم چڑھا ۔ بدخلق اور پھر دولت مند

ٹھونک بجا کر لینا ۔ پرکھ کر خریدنا

منھ پر ہوائیاں اڑتی ہیں ۔ چہرہ بے آب و تاب ہے۔

ہماری کیا پشم کندہ کرے گا۔ ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔

کانا ٹٹو بدعونفو ۔ بہت ہی غریب

کھیل نہ جانے مرغی کے اڑانے لاگا باز۔ حد سے بڑھ کر کام کرنے والا

باپ نہ مارے پدڑی بیٹا تیر انداز۔ حسب صدر

چندا ماموں تا۔ چھوٹی بچیوں کی چاند سے گفتگو

پیر مغاں ۔ مشیت مآب

بھانڈا پھوٹ گیا۔ عیب ظاہر ہوگیا۔

بھرم نکل گیا۔ بڑائی کا سبب معلوم ہوگیا۔

جوش کم ہوا ۔ تاو میٹھا ہوا۔ سست ہو گیا۔

مدھم ٹھاٹھ ۔ سست

بوریا باندھنا۔ غریبوں کا سامان

چھیلا ۔ سفلہ، چھوکرا، بِللّا، منہ سے دودھ کی بو آتی ہے
ابھی چھٹی کا دودھ نہیں سوکھا۔
ابھی منہ دبائے تو چلّو بھر چھٹی کا دودھ نکل پڑے۔
بے لیاقت
جان چٹانا ۔ ہپا ۔ بھبھوکا
دھواں دھار ۔ خوبصورت
اڑھائی چُلّو اس کا لہو پی جاؤں ۔ مار ڈالوں
مسند بادشاہی کرو ۔ مسند اٹھالو ۔
سکھ فرمانا ۔ سونا ۔
پیش خانہ ۔ چوکی خانہ
کھڑی مزدوری چوکھا کام ۔ اچھی مزدوری دینا، اور خوب
کام لینا ۔
باری دار ۔ جو اپنی نوعیت پر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو ۔
باری دارنی ۔ باری دار کی مونث
ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا ۔ بے جا عذر کرنے والا
انت بھلے کا بھلا، انت برے کا برا ۔ نیک کام کا بدلہ
نیک اور بد کام کا انجام بد ۔
چھکے چھوٹ گئے ۔ عقل جاتی رہی ۔
بول گیا ۔ تنگ آگیا ۔

جگ پھوٹا۔ نرد ماری گئی۔ دو شخصوں کے درمیان نفاق پیدا ہوا اور دشمن نے پامال کر دیا۔

میر، دلوں، چوٹوں۔ لکڑی کی گولیاں

پلڑا کیا۔ سزا دی

ٹھیک۔ راہ پر آیا۔

لال پگڑی والا میر جی کا سالا۔ بچوں کی شرارت کا کلمہ جو بوڑھوں کو کہا جاتا ہے۔

ڈھیلے زنانخ۔ سست۔

جو میٹھا کیا۔ سزا دی

ننگی بھلی کر بل ہیں بالنں۔ مائدہ چیدن حد عیب دارد و نہ چیدن یک عیب

دیکھا بھالا توپ چی۔ چیرا سیدھو۔ کم رتبہ آدمی جو امیر ہو گیا۔

بال باندھا چور۔ نادر چور۔

کوڑی کا پوت۔ زر پرست

مری چگ۔ موقع پرست اور بے وفا خادم

صرا بھرا۔ شاہ سرمد بہو دریائی کی قبر

اچھال چھکا۔ بدکار عورت۔

کیا ننگی نہائے گی کیا نچوڑے گی۔ مفلوک

من بھائے منڈیا ہلائے۔ دل چاہتا ہے زبان انکار کرتی ہے۔

بگلا مارے پنکھ ہاتھ۔ کام سے کچھ حاصل نہیں۔

گھن لگانے کو نہیں۔ نام کو بھی نہیں۔

گیند گدول۔ گولہ باری۔

ڈیل در گنبد آواز در پھش۔ موٹے تازے آدمی کی بزدلی۔

بھوت لگا ہے۔ دیوانہ ہوگیا ہے۔

بڑھا جن ہے۔ ہر بات مصیبت ہے

پانڈے جی تو پٹیاویں۔ اپنے حق میں مایوسی

بھل گھوڑے ہیئے۔ وہ سوار جن کے گھوڑے تیز اور چالاک ہوں۔

اونچی دوکان پھیکا پکوان۔ فیض امیر، بدتقریر فی مثل

اندھوں میں کانا راجہ۔ جاہلوں میں کم درجہ کا عالم

رانی کو رانا پیارا اور کانی کو کانا پیارا۔ ہر شخص کو اپنا بچّہ بھلا لگتا ہے۔

اس سے کیا حاصل کہ شاہ جہاں کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی کہ عالمگیر کی بے جا بحث۔

امیر خانی۔ عورت نما مرد

زوالے کا لٹھ۔ بے ادب

میں نے تمہاری گدھی چرائی تھی۔ میں نے تمہاری چوری کی تھی۔ مجھے کیا ڈر تھا۔

چل بسا ۔ مر گیا ۔

لے پالک ۔ منہ بولا ۔ بیٹا یا بیٹی

گدگدے ۔ بھنے ہوئے دانے جوار کے

ڈھول ڈھمکا ۔ باگڑ ۔ (ایک شہر کا نام)

چو مکھے ہاتھ ۔ مجلس میں سب پر پھبتیاں کسنا

گھی کا کپا لڑھک گیا ۔ امیر مر گیا ۔

دھوم دھام ۔ شان و شوکت

کھیت چھوڑ گیا ۔ بھاگ گیا

ٹھکانے لگا ۔ کام آیا ۔ مار ڈالا گیا

تصدق ہوا ۔ امیروں کے لئے مار ڈالا گیا ۔

بڑا سور ہے ۔ بہت شجاع ہے ۔

دو کھنا ۔ سامنے برائی کرنا ۔

کیا درزی کا کوچ کیا مقام ۔ غریب آدمی جہاں چاہے چلا جائے ۔

بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ ۔ اس کی نسبت

مخاطب جس کے بیٹے سے زیادہ تکلیف پہنچی ہو ۔

ناک چنے چبوائے ۔ تنگ کیا ۔

گھڑی میں گھڑیال ہے ۔ لحظہ میں بدل گیا ۔

جو گرجتے ہیں سو برستے نہیں ۔ شیخی کرنے والے کام

نہیں کرتے ۔

دیکھا ہوا ہے۔ آزمایا ہوا ہے۔

پھونک پھونک پاؤں رکھتا ہے۔ ڈر ڈر کر کام کرتا ہے۔

چور ہے۔ مسخرا ہے۔

ہتھیار ہونا۔ لڑائی ہونا۔

ٹوپی والا۔ انگریز

گھوڑی والے۔ مرہٹہ

پٹھان زا۔ ابدالی اور اس کی اولاد

کتا دن تم نے بھی چام کے دام چلائے۔ تم نے دوست کے زمانے میں جو نہ کرنا تھا کیا۔

چنیل جھپٹا۔ لوٹ مار

پلک دریاؤ۔ سخی

لے جالب دریا کی ککڑیاں۔ ککڑیاں بیچنے والوں کی آواز

ہوتا سوتا۔ کم کفو

شائستہ خاں کا پوتا۔ مغرور

کاریگر۔ خلیفہ، استاد۔ نائی

کاریگر۔ خلیفہ خاصہ پز۔ باورچی

سیڑوار۔ ساز بجانے والا

ڈومنی پن۔ طوائفوں کے سے انداز

ہمارا لہو پیو۔ قسم

دھورو فاعل - عورت نامرد

بڈھیا کا کاتا، جوبن کا کھاجا - مٹھائی

بور کے لڈو - برادے کے لڈو

ڈھلتی پھرتی چھاؤں کبھی ادھر کبھی اُدھر - دولت

بھو چلا پہاڑی کے پتھر کھاؤ - یہاں کھانے کے لئے کوئی

چیز نہیں ہے -

بل بلیّہ ہول - شادی مبارک

سلطان جی - نظام الدین اولیا -

فلانے کو دن لگے ہیں - فلانے کو موت آئی ہے -

چیونٹی کے بل - تنگ جگہ

تنکے کی اوٹ میں پہاڑ - پس پردہ حقیقت

آنکھ اوجھل پہاڑ - " "

اونٹ پہاڑ کے نیچے آتا ہے تو اپنے کو سمجھتا ہے - زبردست اپنے

سے زبردست سے ڈرتا ہے -

تم گودڑوں کے لال ہو - پوتڑوں کے امیرزادے ہو - نادار

ہونے کے باوجود سب کو عزیز ہو

دبڑو گھسڑو - عاجز

تیرے پاؤں تلے گنگا بہتی ہے - تو سب پر حکمراں ہے -

چوہے کی بل میں گھسا چاہیئے - پناہ ڈھونڈی جائے -

تین تیرا ہو گئے ۔ متفرق ہو گئے ۔

گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے ۔ رازدار

سب ملے پر لنگوٹیہ نہ ملے ۔ پرانا دوست سے ڈرنا چاہیئے ۔

آگ لگتے جھونپڑا جو نکلے تو بس لاؤ ۔ از خرس موئے بس است

بھس میں چنگی ڈال جمالو دور کھڑی ۔ چغل خور

بچھڑا کھونٹے کے بل کودے ۔ کمزور حمایتی کے طاقت پر لڑے ۔

لکڑی کے بل بندریا ناچے ۔ " " "

پانچوں انگلیاں گھی میں تر ہیں ۔ آسودہ ہیں ۔

نچوڑ بات کا ۔ خلاصہ

جھنجھلا گیا ۔ پریشان ہو گیا ۔

اندھی بادشاہی ۔ کھیل کا نام

ماٹھا گل قند ۔ احمق

آپ بابو منگتے باہر کھڑے درویش ۔ خود دوسروں کو کیا دے سکتے ہیں ۔

فلانے کا فلانا مائی باپ ہے ۔ سزا دینے والا ۔

چل چلاؤ ۔ کوچ

کٹ مستا ۔ بے فکر

نسا جال ۔ پیچ در پیچ

گورکھ دھندہ ۔ شعبدہ

بھول بھلیاں ۔ خواجہ قطب الدین رح کے مزار کے قریب
کے ایک مکان کا نام

کوا گھا ۔ نامردوں کا مجمع

مانگی دھار ۔ سپاہی جو دوسروں کا نوکر ہو۔

قطامہ ۔ بے حیا عورت

ہلاکو ۔ ظالم

نادر شاہ کا سا حکم ۔ قوی حکم

مکر چاندنی ۔ صبح کاذب

جی دان ۔ جاں بخش

کنیا دان ۔ بیٹی کے بیاہ کے لئے امداد

بخشی کا دھنکر ۔ بے فکرا

چھپلا ۔ بجلی

کھٹوائی پاٹی لے کر پڑھ رہا ہے ۔ خفا ہو گیا ہے ۔

یہ بیل منڈھے نہیں چڑھے گی ۔ کام نہیں ہو گا ۔

بو آتی ہے ۔ بدبو آتی ہے ۔

ڈکوری ۔ نقارہ بجانے کی لکڑی

میری بلا جانے ۔ میں کیا جانوں

پھلا پھولا ۔ خوش و خرم

راون کا بچہ ۔ مغرور

بڑی بات ہوئی ۔ اچھا ہوا کہ ایسا ہو گیا۔
بھلا صاحب ۔ خود بجگتو گے
کلیا میں گڑ پھوڑ رہا ہے ۔ کانا پھوسی کر رہا ہے ۔
جنگل میں مور ناچا ۔ کس نے دیکھا۔ اتفاق سے ملی ہوئی دولت کو ہم چشموں سے چھپانا۔
زید عمرو کی ٹانگ تلے سے نکل گیا۔ زید نے عمرو کے کمال کا اعتراف کیا۔

گولی بچا گیا۔ صاف نکل گیا۔
آپ کا بول بالا رہے ۔ مخالف مغلوب ہوں ۔
سانپ کھلانا ۔ سخت گیر آقا کی نوکری
باگ موڑنا ۔ چیچک کے دانوں کا مرجھانا
بڑا بچھو ہے ۔ کینہ پرور ہے ۔
مسافر آ اترا ہے ۔ طوائف حاملہ ہو گئی ہے ۔
چکا چوند ۔ اندھیرا روشنی ملا ہوا۔
جوگی کا کے میت ۔ بے ٹھکانا آدمی کسی کا دوست نہیں ۔
لشم پشم مارتا ہوں ۔ دھیان میں نہیں لاتا ہوں ۔
غریب کی جورو سب کی بھابی ۔ مسکین بے زبان آدمی
اندھے کی جورو کا اللہ بیلی ۔ بے وقوف کا مال جو چاہے کھائے
شیخ کیا جانے صابن کے بھاؤ ۔ اس کو اس چیز کی قدر کیا معلوم

گدھا کیا جانے زعفران کی قدر۔ اس کو اس کی قدر کیا معلوم

رخ نہیں ملاتا۔ متوجہ نہیں ہوتا۔

اس کی ناک مروڑ ڈالوں گا۔ تنبیہ کروں گا۔

چینے پر بل والا ہے، دال موٹھ والا ہے۔ مونگ چرے

والا ہے۔ ذلیل ہے۔

✻

دلّی کے محلّے:

نگنبود (جمنا) کا گھاٹ، سلیم (اسلام) گڑھ۔ چاوڑی بازار۔ چوڑا ہٹ۔ گلاب باڑی۔ وکیل پورہ۔ چتلی قبر۔ سید حید بخش کا بازار، شاہ کلن کی ڈگڈگی۔ ترکمان دروازہ، بیرم خاں کا ترا ہا۔ خلیل خاں کی کھڑکی۔ فراش خانہ کی کھڑکی۔ لال کنواں۔ قاضی کا حوض، جوہری بازار۔ چاندنی چوک۔ فتح پوری کی مسجد۔ جاں نثار خاں کا چھتہ۔ کشنک ندور کا چھتہ۔ شبیر بیگ کا چوترا گولک کا چوترا۔ روز بھائی پورہ۔ کٹڑہ گڑھ۔ مغل پورہ۔ سبزی منڈی۔ گھوڑے نخاس۔ مٹھائی کا پل۔ تیل واڑہ۔ نائی واڑہ راشن پورہ۔ پہاڑ گنج۔ حبش پورہ۔ امام کی گلی۔ تمباکو کی منڈی بلی ماروں کا محلہ۔ مہادیو کا پیپل۔ شاہ بولا کا بڑ۔ دب گروں کا محلہ۔ سعد اللہ خاں کا چوک۔ خاص بازار۔ فولاد خاں کا کوچہ چیلوں کا کوچہ، نیا بانس۔ کشمیری دروازہ۔ زینت باڑی۔

کھنچنوں کی گلی - دارا کا طبیلا ؛ عربوں کی سرا - جے سنگھ پورہ - ٹیکہ ہزاری کا پھاٹک - مصری خاں کا پھاٹک - تیل کا کٹڑا - بیگم کا باغ - برجناتھ کا کوچہ - گھاسی رام کا کوچہ - مہاجنوں کا کوچہ - قدم شریف - شاہ مرداں - ایک ٹنگی نہر - ایمان کا کٹڑہ - سہرندیوں کا محلہ - بجواڑیوں کا کوچہ - لاہوریوں کا محلہ - گندی گلی - پنج پیر کا تھان - کوٹھا مجید بارچہ، جمال اللہ خاں کا پھاٹک، دریبہ، دارالشفا - روشن الدولہ کی مسجد - سید فیروز کا بنگلہ - میوے کا کٹھڑا - کابلی دروازہ - اجمیری دروازہ - دلی دروازہ - لال دروازہ - براہی کا تھان محبوب الٰہی - چراغ دہلی - خواجہ جی - سید حسن رسول نما - باقی باللہ ناج کی منڈی - شاہ بڑے کا تکیہ، شاہ تسلیم کا تکیہ - تال کٹورا - جوگ مایا - کالکا - بھیروں جی، رنگی ہٹ - محل دار خاں کا کٹھڑا - پرانا قلعہ - فیروز شاہ کی لاٹ، شیخ محمد کی بائیں - کشن داس کا تلاؤ - ہرن ستارہ - قطب صاحب کی لاٹ پتھورا کے محل - ادھم کا گنبد - بھول بھلیاں - سلطان غازی - مجدنا - ہمایوں کا مقبرہ - خان خاناں کا مقبرہ - گڑگاؤں کی ماتا فرید آباد کی براہی - املی کا محلہ - چوڑی والوں کی گلی - سیتارام بازار - ماہی داس کا کوچہ - بھوجلد پہاڑی - مٹیا محل - بیرندی کا نالا - پتھر کا کنواں - بادل پورہ - بہادر پورہ - موٹھ کی مسجد -

اسد خاں کی بارہ دری۔ خان دوراں کی حویلی۔ امیر خاں کا بازار
قابل عطار خاں کا کوچہ۔ جبٹ پورہ۔ سعادت خاں کا کوچہ۔ محتسب
کی مسجد، کشمیری کٹرے کی مسجد۔ زینت المساجد۔ جما (جامع)
مسجد، نواب بہادر کی مسجد۔ شاہ العدن۔ میرزا جان جاناں
صاحب۔ خواجہ میر درد صاحب۔ مولوی نظر محمد مرحوم۔ مولوی
فخرالدین۔ میاں سید خاں۔ دولھا بھٹیارہ کا محل۔ کھجور کی مسجد
پنجہ بندوں کا کوچہ۔ سبز کنواں۔ پنڈت کا کوچہ۔ ہجڑوں کا کٹرا۔
دائی پورہ وغیرہ۔

عورتوں کے محاورے :

چوری کا گڑ میٹھا ۔ مفت کا مال اچھا۔
بازار کی مٹھائی ۔ طوائفیں ۔
قوال ۔ نظام الدین اولیا کی درگاہ کا مطرب
حشیر مادر ۔ حلال ۔
چوکھا ۔ خوب
جماگی ۔ وہ پیسے جو بچے تمباکو کے لئے جمعرات کو اپنے مدرس کو دیتے ہیں۔
بھینک ۔ ورزش کی ایک قسم
ایکنگ ۔ " "
دوزنگ ۔ " "
پھری ۔ چمڑے کی بنی ہوئی ڈھال
بھڑی ۔ پتھر کا ڈھیر

پورا نہیں پڑتا۔ فائدہ نہیں ہوتا۔

حرامی پلّا۔ بدطینت

گودڑ خیل۔ ناکارہ چیز

تیرے پدر کو خبر نہیں۔ تیرے فرشتوں کو خبر نہیں۔

آٹھوں گانٹھ عیک۔ تجربہ کار

پنج عیبے شرعی مادر پدر بیزار۔ ناہموار شخص

منہ سے تو پھوٹو۔ بولو

جوڑی سے برخوردار رہے۔ دونوں نالائق ہیں۔

پانی پت کے رہنے والے ہیں۔ نیک دل ہیں۔

دائی کے سر پھول پان۔ مسکین آدمی پر مصیبت نازل ہونا

طویلے کی بلا بندر کے سر۔ بدنام آدمی کے سر تہمت لگ جانا

مچھی۔ بوسہ

زیرِ مشق۔ تابع

دونوں ٹانگوں میں سر کر دوں گا۔ سزا دوں گا۔

بال جھڑی۔ عالمگیری دستار

پردہ۔ تانت کے تار

سندری۔ ستار کے تار

رفو چکر میں آجانا۔ پریشان ہونا۔

لٹو ہوگیا۔ عاشق ہوگیا۔

پانی پانی ہوگیا۔ شرمندہ ہوگیا۔

صبح کا بھولا شام کو گھر آوے تو اس کو بھولا نہیں کہتے۔ نادانستہ گناہ اور پھر اس سے احتراز کرنا۔

ہونٹوں کی مسی پونچھو۔ حریف سے مقابلہ کا چیلنج

بانکا غنڈہ۔ ٹیڑھے راستے چلنے والا۔

کڑوا۔ بہادر

نکیلہ۔ خوبصورت۔

نکیلہ۔ غیرت مند

چال ڈھال۔ رفتار وگفتار

دانت ہے۔ قتل وغارت کے لئے آتا ہے۔

دودھ کی مکھی کی طرح نکال ڈالنا۔ بے دخل کرنا

دودھا دھاری۔ صرف دودھ کھانے والا

مونچھ مروڑنا۔ راہ پر لانا

گال کاٹ کھانا۔ ذلیل کرنا

بھاری بھرکم۔ متین

منہ لگانا۔ مصاحب بنانا

دم دینا۔ دھوکا دینا۔

ہنگیلے بندوں کام کرنا۔ بے تردد کام کرنا

دشمنوں کی طبیعت کسل مند ہے۔ خود بیمار ہے۔

بے طرح ۔ نافہم

جانی، جیوڑے ۔ معشوق

گڑ کھانا گلگلوں سے پرہیز کرنا ۔ باپ سے دوستی اور بیٹے سے
عداوت رکھنا ۔

دریا میں رہنا اور مگرمچھ سے بیر رکھنا ۔ جس گھر میں رہنا اس کے افراد
سے عداوت رکھنا ۔

موٹی اسامی ۔ مالدار

ہاتھیوں کے ساتھ گنے چوسنا ۔ امیروں کی ہم سری کرنا ۔

باندی بندوڑ ۔ کنیز

کیا کتا ہے ۔ کیا پاجی ہے ۔

ایک پانچ کوڑیاں نظام الدین اولیا کے نیاز کی ۔ فقیروں کا سوال ۔

نظر گزر ۔ نظر بد

دلی کا لڑکا ۔ دلی کا باشندہ

تالی پھرتی ہے ۔ ہجوم ہے

کھونٹی مروڑی ۔ گوشمالی کی

تاج ۔ ٹوپی

اس کا پیالہ ہوا ۔ مر گیا ۔

ککڑی کے چور کی گردن نہیں مارتے ۔ ناکردہ گناہ پر سزا نہیں دیتے

بوٹا سا قد ۔ قد رعنا

تمہارے سلئے تو کنواں میں بالس ڈالے۔ تمہاری تلاش کی۔

پنیری ۔ نئی پود

چرخ چڑھنا۔ اعلیٰ درجہ تک پہنچنا

ادو بلاؤ۔ احمق

ششش و پنج میں پڑا ہے۔ تردد میں ہے

تھرکنا۔ بدن کے اعضا کا ہلانا

مٹکنا۔ آنکھ، ابرو اور کندھوں کو جھٹکا دینا

ڈلو۔ کم عقل آدمی۔

بورچی ۔ باورچی

بوند گیا۔ نظر سے دور گیا

جی کا ہٹ جانا۔ پریشان ہونا۔

جیں جیں کرتا ہے۔ بے جا شور کرتا ہے۔

ننگا منگا ۔ برہنہ

بائیں بگل ۔ ذو پٹہ سے جسم کی سجاوٹ

بوٹی بوٹی پھڑکتی ہے ۔ بند بند سے بچپنا پن ظاہر ہوتا ہے۔

میں نے اسے خوب جھاڑا۔ میں نے شرمندہ کیا

ہمارا ان کا ڈنڈا اینڈا ہے ۔ ہم دونوں ہم وطن ہیں۔

بارہ باٹ اٹھارہ پنڈے پھرا ہے۔ کار آزمودہ ہے

دانت پہ میل نہیں۔ نامقدور ہے۔

سیانا کوا گو کھاتا ہے۔ لالچ مصیبت میں پھنساتی ہے

کبوتر باز، جوہری۔ مردم شناس

قصباتی۔ گنوار۔ بدھو۔ احمق

قسم کھانے کو جگہ رہی۔ تکلیف سے کام کیا

لہو لگا کے شہیدوں میں مل گیا۔ کام کی لیاقت نہ تھی۔ بڑے نام کیا۔

پنجی پارہ۔ کھیل کی لکریں

بڑا پتھر نہ اٹھے تو تین سلام کر کے چھوڑ دیجیے۔ جو کام نہ ہو انکار کر دو۔

پتھراؤ کیا۔ سنگ سار کیا۔

چار چودس۔ نالائقوں کا مجمع

گھر دل۔ ہجوم

کل کلی بی بی۔ مستی فروخت کرنے والی

کچ کچاہٹ میں چاہت۔ عاشق کی خواہش بوس کنار

گدگداہٹ۔ بیقراری

میلا ہے۔ رنجیدہ ہے

سونے کے سہرے سے بیاہ ہو۔ شادی کی نیک دعا

فلاں کے سر سہرا ہے۔ فتح ہے

بیٹھ گیا۔ تباہ ہو گیا۔

اجلا رہتا ہے۔ بنا سنوارا رہتا ہے۔

چمکار رہتا ہے۔ بنا سنورا رہتا ہے۔
میلا رہتا ہے۔ مفلس ہے
پچھلے کو میں تمہارے پاس آیا تھا۔ اچھا ہوا۔
مفلس کا مال ہے۔ دلالوں کی صدا
ان کی دم میں نمدا باندھو۔ ان سے تعلق نہ رکھو
گھوڑ چڑھا۔ گھوڑا اسوار ملازم
پٹھا۔ پہلوانوں کا نیا شاگرد
دندان مصری۔ نازک بدن مرد
رنڈی۔ کسبی
نائکہ۔ کسبیوں کی مالکہ
بہ جنتری محال۔ چکلہ۔ کسبیوں کا محلہ
زوٹ مارے جاتا ہے۔ منہ سیے اور سانس چڑائے جاتا ہے۔
کڑاکڑ بولتی ریوڑیاں۔ ریوڑی فروخت کرنے والے کی آواز
شاہ مرداں کی لاڑیاں۔ گاجریں
برسے گا برسائے گا دمڑی سیر لگائے گا۔ مینھ کے شروع ہوتے وقت بچوں کا شور وغل۔

بہشت کا میوہ۔ انار
گھیرے کا انار۔ ایک مقام کا نام
بندھیج۔ انتظام

رگڑ جھگڑا ۔ منافشقہ

رگڑا ۔ بھنگ گھونٹنا

تیز ۔ گرم ۔ چالاک ۔ تیز فہم

میر شکار ۔ جانوروں کا محافظ ۔ مردم شکار

اٹھائی گیرا ۔ چوری سے غافل لوگوں کی چیزیں اٹھا لے جانے والا ۔

صبح خیزیا ۔ وہ چور جو سب سے پہلے جاگ کر سرائے والوں کا سامان چرائے ۔

آدھی مرغی آدھی بٹیر ۔ دوغلہ

بڑے خزانے کی خیر ۔ شاہی خزانے میں توقیر ہے ۔

خزانۂ ملوک ۔ شاہی خزانہ

شہدہ ۔ وہ شخص جو سر ننگا پیر ننگا لوگوں کا بوجھ سر اور کندھے پر اٹھائے ۔

ابے ، او ، اویے ، بچّہ ، ایسے تیسے ، سالے ۔ شہدوں کا کلمۂ تخاطب

کرگج ، جما ، بدھوا ، روشن ، چراگ ، مادا ، دھوا ، جھجوا ، راجی خاں ، نہال بیگ ، میرآسوری ، خوجی ملاک ، ترنج رانجھے ، ابراعمالی ۔ وصول محمد ۔ کپور خاں ۔ (شہدوں کے نام)

شہدوں کی گفتگو کا طرز بالعموم یہ ہوتا ہے ۔

" ابے دیخ بچہ آں نبی صاحب کی سوں کیں

سمجھوں گا۔ تمہاری سب باتیں میں جانتا ہوں۔ مجھ
کو بھی نواب صاحب جانتے ہیں۔ کل بھی جابھٹیارے
کی دکان پر دیکھ کر ہنس دیا۔ میں نے کہا او دولہا
خیر آپ بولے وائے بچہ تیرے دھول پر لٹھ۔

یہ اردو اُن شہدوں کی ہے جن مولد دلی ہے، ان کے
علاوہ دوسرے علاقوں کے شہدوں کا طرز تکلم اس سے بہت
مختلف ہوتا ہے۔ اگر ان میں کوئی بدنصیب پنجابی شہدہ آملے
تو وہ ان ہی جملوں کو یوں ادا کرے گا۔

" اوے دیکھ تاں بچہ آں ہاں نبی صاحب کی
کسم کیسا سمجھاؤں گا تمہاری سب باتاں میں سبی جانڑتا
ہاں مجھ کو بھی نواب نواب صاحب جانڑتے ہیں۔
کل بھی جبا بھٹیارے کی دوکان کے اوپر مجھ کو دیکھ
کر ہنس دیا۔ میں نے کہا او دولھا کی خیر آپ بولے کہ
واہ بلے بچہ تیرے دلوں پر لٹھ!"

ان ہی جملوں کو ایک پوربی شہدہ کی زبان سے سنیے۔
" اوے دیکھ تو بچہ آنہ نبی کی سوں کیں!
سمجھوں گا۔ تمہاری سب باتیاں میں ہی جانا
تاں ہوں۔ مجھ کو بھی نواب صاحب جانتے
ہیں۔ کل بھی جبا بھٹیارے کی دکان پر مجھے

دیکھا کے ہنس دیا۔ اور میں نے کہا او دولھا کی خیر آپ بولے کہ واہ بے بچہ تیرا دولون پر لاٹھا۔

ختم

رنگین اور ریختی :

عورتوں کی زبان کو مردوں کی زبان کے مقابلہ میں پیش کرنا غلطی ہوگی۔ یہ حقیقت ہے کہ دلّی کی عورتیں، سارے ہندوستان کی عورتوں سے زیادہ فصیح بولتی ہیں۔ ان کی زبان کا ایک خاص اور منفرد اسلوب ہے۔ ان کی زبان میں جو بھی لفظ مقبول ہوگیا۔ اس کے اردو ہونے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ لفظ، فارسی، سریانی۔ سریانی، ترکی، پنجابی پوربی، مارواڑی، دکنی، بندیل کھنڈی، یا کسی اور زبان کا ہو، اُردو ہی کہلائے گا۔

طہاسپ خاں کے بیٹے سعادت یار خاں رنگینؔ، میرے مخلص دوستوں میں سے ہیں۔ مجھے وہ گزشتہ اور حال کے شاعروں میں مسلم الثبوت اور بہتر سمجھتے ہیں۔ ان کی سپاہگری اور شجاعت کی طرح دوستداری بھی قابل ذکر ہے۔ ان کو

پردہ نشین بیگموں سے ایک عرصہ تک تعلق رہا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی ایک تالیف میں ان کے واقعات کا ذکر کیا ہے وہ ریختی کے موجد ہیں۔ اور عورتوں کی زبان میں شعر کہے ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ انھوں نے جو عورتوں کے محاورے اور الفاظ اپنی ریختی میں استعمال کئے ہیں درج کروں۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو میری تالیف ایک اہم چیز سے خالی رہتی۔

المست - نشہ میں چور

ان گنت - بے حد

اُدھل گئی - بدکار ہو گئی

رشتغلہ - بہتان

آٹھ آٹھ آنسو روئی - زار زار روئی

اوپر والا ہوا - نیا چاند نکلا

اوپر والیاں - چیل

اجلی - دھوبن

اچھوانی - وضع حمل کے بعد زچہ کو پلایا جانے والا جوشاندہ

اہلی گہلی پھرتی ہے - اٹھلاتی اور خوش خوش پھرتی ہے

ارڈجائے - مرجائے

آتوجی - استانی

ایک آنکھ نہ بھایا - پسند نہ آیا

ان گن مہینہ ۔ حمل کا آٹھواں مہینہ

ان گن برس ۔ آٹھواں برس

اکل کھری ۔ اکیلی رہنے والی

الاٰیچی ۔ دو عورتیں جو الایچی کھا کر دوست بنیں

دگانہ ۔ " بادام " "

زنانی ۔ " مرغ " "

واری ۔ پیاری

خلیفوجی ۔ پڑھانے والی

گوئیاں ۔ دوست

اردا بیگنی ۔ ترکی عورت جو شاہی حرم کی منتظم ہو۔

بستار کرتی ہے ۔ طول کلام کرتی ہے ۔

بیٹھک ۔ عورتوں کی نشست گاہ

چھوچھو ۔ کسی شخص اور اس کی بیوی کو پالنے والی

بوبو ۔ کسی شخص اور اس کی ماں کو پالنے والی

تبانا ۔ لوہے کا کڑا جس کے ذریعہ چوڑیاں پہنائی جاتی ہیں۔

بڑھاؤ پوشاک ۔ لباس بدلو۔

بڑارن ۔ بکوری بوڑھی

بلبلی ۔ بے وقوف عورت

بڑما ۔ وہ عورت جو خود کو دوسروں سے بہتر سمجھتی ہے ۔

بسورتی ہے ۔ روتی صورت بناتی ہے ۔

بھنڈقدمی ۔ منحوس

بھونگڑا ۔ گندی

بڑہی ۔ سورنی

بتولے نہ دے ۔ دھوکہ نہ دے

بیر ۔ ضد

بیر دوڑاتی ہے ۔ موکل دوڑاتی ہے

بورغ بند ۔ بڑا بخیہ

باجی ۔ بڑی بہن

بڑبھس لگا ہے ۔ بڑھاپے میں مسخرگی سوجھی ہے ۔

بیندرک تمہارے بات میں نہیں ۔ تمہارے بات میں استقلال نہیں

بجتی ۔ بدنصیب

برکی ماری ۔ افواہ کردیا

بیلی ۔ بامزہ عورت

بھسڈ ۔ گندی عورت

بڑھین ۔ بکوری بڑھیا

بخشو ۔ معاف کرو

بھٹائی ہے ۔ بات کو بڑھانے والی

بھابھا ۔ کٹنی

تجنے جانا - سوجھن کا کم ہونا۔

پھر واہ دیا۔ ظاہر کر دیا۔

پڑیا۔ سیندور، عبید یا شیرینی

پھوٹ۔ خدا کی لعنت

پی چا۔ بلا

پینڈیاں۔ لڈو

پگڑی والا۔ حکیم

پانوں بھاری ہونا۔ حاملہ ہونا

پچھپائے۔ انگیا کی آستین والا حصہ

پیٹی۔ صندوقچی

توتو۔ زبان

ٹکلی بیٹھو۔ آرام کرو

تھگلی۔ پیوند

تار تار کر دیا۔ منتشر کر دیا

ٹھوٹ کا ڑیاں۔ بیڑیاں

تلپٹ۔ برباد

کارن۔ باعث

تگادر۔ دایہ کا شوہر

تخت کی رات۔ شب عروسی

تہس نہس کیا ۔ خاک میں ملایا

تو تیسے جوڑنا ۔ تہمتیں باندھنا

مولی ۔ سینہ بند کی کٹوریوں کا کپڑا

ٹھنڈیاں ۔ چیچک

جل جوگنی ۔ جونک

جلے پاؤں کی بلی ۔ بے کام گھر گھر پھرنے والی

جیا ۔ دایہ

جی بھاری کرنا ۔ رونا

جھلکا ۔ چہرہ کے قریب آگ پہنچنا

جھنٹیل ۔ بتہ باز

جھپسی ۔ بہت گر

چنڈیا سے پرے سرک ۔ سر سے دور ہو۔

چرپاک ۔ زباں دراز

چاؤ ۔ ارمان

چونڈا ۔ سر

چھتیسی ۔ مکار

چواڑ ۔ تکرار

چوچل ۔ نخرہ

حف ۔ چشم بددور

خیلا - بدشعور

خشکہ کھاؤ - جاؤ

دائی کو میری کوستی ہے - مجھے بددعا دیتی ہے۔

دن ٹل گئے - ماہواری کے ایام ختم ہوئے۔

دو کھڑ ہلنا - ذرا ہٹنا

دھندلا کرنا - دھتکار دینا۔

دوجی سے ہے - حاملہ ہے

دودھا - کنیز جس کی گود میں پرورش پائی ہو

دال میں کالا ہے - بات میں قباحت ہے

دونا - تیز

دوالیں - انگیا کی کٹوریوں کے نیچے کے کپڑے

دوبھر - مشکل

دور پار - خدا نہ کرے

راکھ کرے یہ الفت - اس الفت کو آگ لگے

رگیلی - بدذات

رنڈے مینڈ - چوڑیوں کی ایک قسم

رسی - مارول - سانپ

زمین دیکھنا - قے کرنا

زمین کا پیوند ہونا - مرنا

سکہ بٹھانا۔ حکم جاری کرنا

سناونی - مرنے کی خبر

ستھرائی - جھاڑو

ستیا - غصہ کی حالت میں لڑکی کو پکارنا

سہیل - ہم عمر کنیز

سنجوگ - اتفاق ملاقات

سحنک - حضرت فاطمہ کی نیاز

سکھی - عمر، دولت اور حسب و نسب میں برابر کی عورت

سن کو۔ جو پردہ کے پیچھے یا دیوار سے دوسروں کی باتیں سنتی ہو

شفتل - بدکار عورت

شطاح - حرام کار

طیف - پریوں کی نیاز

طیش میں ہونا۔ غصہ میں ہونا

قدرسے کی - تمردد کیا

کرتوت - جادو۔ برا کام

کٹر - ظالم

کٹھلی - کان کے اوپر کے سوراخ

کوکھ کی ٹھنڈی - اولاد والی

کھرکھرج ہوگئی۔ بانشان ہوگئی۔

کاکا - خواجہ سرا جس کی گود میں کا باپ پلا ہو۔

کھڑا دونا دوں گی - علی کی نیاز دوں گی

کالے کوس - فاصلہ

کاڑھا - اسقاط حمل کے لئے دوائیں

کشتی - وہ پیالی جس میں سر کے لگانے کو پھلیل رکھیں۔

کہرام - ماتم

(میری تحقیق میں آئے ہوئے الفاظ)

لگائی - عورتوں کی گفتگو

نگوڑا ناٹھا - بے سہارا

خدا سمجھے - خدا سزا دے

علی کی مار - کمر لوٹنے - بددعا

تم صدقے گئے تھے - تم صدقے کیوں نہ ہوئے۔

ہمارا حلوہ کھاؤ - ہماری بھتیں کھاؤ، ہمارا لہو پیو - ہمارا مردہ دیکھو،
ہمارا جنازہ دیکھو، ہمیں پیٹو - ہمیں ہے ہے کرو،
ہمیں گاڑو - ہمیں کوسو

نیختی - کم بخت

کیوں میرے لال - میرے پیارے

چھانی - کنیز

جوا - عورت کا ناچ

وادا ۔ عورتوں کا نسب بیان کرنے والا
کسبی ۔ رنڈی
روٹی ۔ چہلم کا کھانا
گھونگرو کی شریک رہنا ۔ آپس کی شراکت
مسی ۔ کسبی کا اول دن مسی لگانا ۔
کہروا ۔ ناچ
ویرلو ۔ قدیم ناچ
ٹھوکر ۔ ناچتے پاؤں کی جنبش ۔

ڑ

حرفِ آخر

اس قواعد اردو کی کتاب کی تکمیل کا قطعۂ تاریخ جو جناب عالی متعالی وزیر الممالک ناظم الملک یمین الدولہ نواب سعادت علی خاں بہادر کے حسب ارشاد تصنیف ہوئی۔ احقر العباد راجی اللہ المستعان سید انشاء اللہ خان نے نظم کیا۔

چوں حسب حکم ناظم ملک و جہانیاں
نواب مستطاب وزیر فلک جناب
شد منتظم قواعد اردو بہ سلک نظم
"اردوئے ناظم" شدہ تاریخ ایں کتاب
۱۲۱۲ھ

۱۲۱۲ ہجری

اِختتامیہ

ہم گذشتہ صفحات میں دریائے لطافت کا جتنا کچھ ترجمہ پیش کر چکے ہیں فی الواقعی وہی اہم ہے۔ اس کے بعد انشا نے علم صرف پر بحث کی ہے۔ یہ ہمارے لئے ضروری نہیں ہے۔ اس موضوع پر ہماری زبان میں صدہا کتابیں لکھی گئی ہیں۔ دریائے لطافت کا یہ حصہ اپنی حیثیت میں بڑی حد تک نامکمل اور ناتمام ہے۔ اس حصہ کا اطلاق ہماری موجودہ طرز تحریر و تقریر پر مشکل ہی سے ہوگا۔ اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔ دراصل انشا نے اس میں پنجابی، برج بھاشا، پوربی اور دوسری زبانوں کی قواعدِ ترکیبی و اضافی پر بحث کر کے الجھا دیا ہے۔ اس کے علاوہ ان زبانوں کے قواعد اس دور میں کسی کام نہیں آسکتے۔ اس زمانے میں یقیناً خاصہ کی چیز ہوگی جب کہ اردو کو پوربی، ایرانی، پنجابی، اور دوسری زبانوں کے اشتراک کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے اور "ریختہ" کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ انشا کا قابل قدر کارنامہ وہی ہے جس کا ہم ترجمہ پیش کر چکے ہیں۔ زیر تذکرہ حصہ کے متعلق عبدالحق نے لکھا ہے کہ "اردو صرف و نحو کی یہ پہلی کتاب ہے۔ اس لحاظ سے بھی اسے تقدم اور فضیلت ہے کہ یہ اول کتاب ہے جس میں اردو صرف و نحو

بلحاظ زبان بیان کی گئی ہے اور عربی اور فارسی کی اندھوں کی طرح تقلید نہیں کی گئی۔ اگر مابعد کے مولفین اس اصول کو پیش نظر رکھتے اس وقت تک اردو صرف و نحو مکمل ہو جاتی۔"

یہاں مولوی عبدالحق سے یقیناً چوک ہوئی۔ ان سطور کے لکھتے وقت ان کے ذہن میں یہ بات مطلق نہیں رہی کہ کل کی ریختہ اور آج کی اردو میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آج کی اردو کا زیادہ تر سرمایہ عربی اور فارسی لغات کا پابند ہے۔ اور وہ اپنے مزاج میں ہندی نژاد ہونے کے باوجود بڑی حد تک ترکیبی اور ہیئتی سطح پر فارسی کے قریب آ گئی ہے۔ اس کے لئے انشاء کی محولہ قواعد یا اس انداز کی اور کوئی دوسری کتاب کارآمد نہیں ہو سکتی ہے۔ اور نہ اسے کارآمد بنایا جا سکتا ہے۔

دریائے لطافت کے موضوع پر، احمد علی یکتا نے بھی ایک کتاب دستور الفصاحت کے نام سے لکھی تھی۔ اور اس میں اردو کی نشو و نما کے ساتھ ساتھ اس کی لسانی خصوصیات کا جائزہ لیا گیا تھا۔ احمد علی یکتا۔ مرزا حسن قتیل کے تلامذہ میں سے تھے۔ انہوں نے دلّی ہی کی زبان کو سند ٹھہرا کر اردو کی لسانی خصوصیات پر بحث کی تھی۔ اس کا ایک مخطوطہ رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے۔ اس کے مطالعہ سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ انشاء کی دریائے لطافت سے پہلے کی تصنیف ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ اسے وہ مقبولیت کیوں حاصل نہیں ہوئی۔ جو دریائے لطافت کو حاصل ہوئی تو یہاں یہ بھی ذہن نشین رہنا چاہئے کہ

انشاؔ کی دریائے لطافت نواب سعادت علی خاں والی اودھ کی خواہش اور ایماء پر لکھی گئی تھی۔ اس کے برعکس دستورالفصاحت کے مولف کے لئے اس کی اپنی ضرورت کا زیادہ دخل تھا۔ جب تک انشاؔ کی دریائے لطافت گم نامی میں پڑی رہی اس وقت تک محض اسے وہ درجہ حاصل نہیں ہوا جیسا کہ آج ہے۔ بعینہٖ یہی صورت دستورالفصاحت کی ہے۔ اس سلسلے میں مولوی عبدالحق کا یہ دعویٰ باطل ہوجاتا ہے کہ دریائے لطافت ہماری لسانیت پر پہلی کتاب ہے کیونکہ ہمیں اس کی موجودگی سے پہلے دستورالفصاحت کا وجود ملتا ہے۔

انشاؔ کی دریائے لطافت کے باب صرف و نحو میں بڑی پیچیدگی اور الجھن ہے۔ یہ پیچیدگی اور الجھن اس وقت اور بھی زیادہ ہوجاتی ہے جب ہم یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ برج بھاشا، پنجابی اور پوربی الگ الگ زبانیں ہیں۔ کسی زمانے میں اردو کا ماخذ صرف یہی زبانیں ہوں گی لیکن ان کو بجائے خود غیر فصیح اردو سمجھنا یقیناً نادانی ہے آج اردو نے اپنی اندر اتنی جامعیت، وسعت اور کشادگی پیدا کرلی کہ ہمیں محولہ زبانوں کو اس سے الگ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اگر ہم پنجابی کو اردو کا نام دیں تو لوگ ہمارا مضحکہ اڑائیں گے۔ یہی صورت برج بھاشا اور پھر پوربی کے ساتھ بھی ہوگی۔

دریائے لطافت کے اس حصہ میں انشاؔ نے علم صرف پر بحث کرتے ہوئے فعل اور اس کے صیغوں کے ساتھ پنجابی، برج بھاشا

اور پوربی میں ان کی کیفیات کا سوال اٹھایا ہے ۔ اس ضمن میں الفاظ کے فصیح اور غیر فصیح ہونے کے تعلق سے دعویٰ کیا ہے کہ آوے گا غیر فصیح اور آئے گا فصیح ہے ۔ آج کے زمانے میں فصیح اور غیر فصیح پر اس انداز کی بحث بے معنی معلوم دیتی ہے ۔ آوے گا کا استعمال تقریباً متروک ہو چکا ہے ۔ ہمارے خیال کوئی بھی اہل زبان آوے گا استعمال نہیں کر سکتا ہو اگر کوئی کرتا ہو تو ہم اس کی اردو دانی پر یقیناً شک کریں گے ۔ اور جو لوگ اس طرح استعمال کرتے ہیں، ان کی حیثیت زبان داں کی نہیں ہے ۔ یہ دراصل وہی لوگ ہیں جو سرے سے دیہاتی ہیں یا ان کو اردو کی ہوا نہیں لگی ہو ۔ ان کو بھی ہم صاحبانِ روزمرہ میں شامل کرلیں تو یہ نہ صرف اردو کے ساتھ ناانصافی ہوگی ۔ بلکہ پڑھے لکھے حضرات پر بھی ظلم ہوگا ۔ یہی حیثیت، امر، نہی، اسم فاعلی ۔ صفت حشیہ، اسم مفعول، مضاعف، فعل تحریلی، ماضی قریب ۔ ماضی بعید، ماضی استمراری، ماضی شرطیہ، فعل لازم، فعل متعددی، متعدیہ، کے بیانوں کی ہے ۔ ان بیانوں کے بعد، حرفوں اور حرفوں کی حرکات مخالف اور موافق کا بیان کیا گیا ہے ۔ مزید توضیح کی گئی ہے کہ ایک حرف یا حرکت کے اپنی جگہ پہ درست آنے کو موافق اور اس کے برعکس کو مخالف کہتے ہیں ۔ مخالف کی مثالوں میں، چاقو کی بجائے چاکو ۔ قدم کی بجائے کدم ۔ ستارہ کی جگہ ستارا، چٹخارہ کی جگہ چٹکارا وغیرہ پیش کئے گئے ہیں ۔ یہ بیانات ہماری زبان کا کوئی بنیادی

مسئلہ نہیں ہے۔ ہم آج کے دور میں اقبال کو محض اس وجہ سے غیر فصیح قرار نہیں دے سکتے کہ وہ اپنا یہ مصرع "اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے" کو اکبال بھی اکیال سے آگاہ نہیں ہے پڑھتے تھے۔ یا ایک ایرانی اردو داں نے کسی استاد کے اس مصرعہ کو کھاؤں کدھر کی چوٹ نہ کھاؤں کدھر کی چوٹ۔ کو کھاو کدھر کی چوت نہ کھاؤ کدھر کی چوت پڑھا تھا۔ یا حیدر آباد دکن کے رہنے والے بالعموم ق کو تلفظ خ سے ادا کرتے ہیں۔ دراصل یہ کوئی لسانی غلطی نہیں ہے۔ اس ماحول کی تربیت کا نتیجہ ہے جن میں اقبال، ایرانی یا ایک حیدر آبادی نے پرورش پائی ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ پنجابی، ایرانی یا حیدرآبادی بولنے میں ان حرفوں کے تلفظ کی غلطی ضرور کریں گے لیکن ان کی تحریر میں اس کا شائبہ تک نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ وہ اپنی جبلی خصلتوں کے باعث مجبور ہیں۔ لفظوں کے گرنے کے تعلق سے مثال دی گئی ہے کہ:

"فلانے ہماری باتیں سن مرزا حسن علی خاں پاس جا کر سب کہدیا ہے اور وہاں کی باتیں یہاں آ بیان کرتا ہے۔"

اس مثال کا اطلاق آج کی زبان پر قطعی نہیں ہوتا ہے۔ نہ آج ایسی زبان کوئی لکھتا ہے نہ کہتا ہے۔ بلکہ آج سے ایک نسل پہلے ہی یہ انداز تحریر و تقریر متروک ہو گیا تھا۔ اس لئے یہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ ہم ناگزیر خیال کریں۔ البتہ اس ضمن میں، لڑکا پن کی جگہ لڑکپن۔ شہید اپن کی جگہ شہیدپن کی مثالیں درست دی گئی ہیں۔ لیکن یہاں

بھی ہمیں یہ بات ملحوظ رکھنی ہوگی کہ بچپن کی جگہ بچہ پن، وغیرہ نہیں کہا جاتا ہے۔ ہماری زبان میں شروع ہی سے بچپن، لڑکپن، شہہ پن اور اسی قسم کے الفاظ رائج تھے۔ ان ہی مثالوں کے ذیل میں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ شروع میں لدگا، تلک، ایدھر، کیدھر، اودھر، بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن ان کی شاعری میں کثرت استعمال کے باعث اور وزن کی پابندی کے سلئے، لگا، تک، ادھر، کدھر، اودھر، باندھے جانے لگے۔ نتیجہ میں وہی ان کی ثابت اور مستقل حیثیت ہوگئی۔

حروف رابطہ کے ضمن میں بیان کیا گیا ہو کہ ان کی ضرورت اکثر و بیشتر ہوا کرتی ہو۔ ان میں سے، میں، پر، اور تک کی مثالیں دی گئیں ہیں۔ سے کی مثال میں لکھا گیا ہے کہ "آپ کیوں ہم سے خفا ہیں"۔ اس جملہ کے سے کو ہندوسیں، پوربی ہول اور دکنی اردو داں ستی سے سہتعمال کرتے ہیں۔ انشا کا یہ دعوی غلط ہے۔ کیونکہ آج کے زمانے میں سے، کا استعمال سے ہی ہوتا ہے۔ کوئی، پوربی، ہندو یا دکنی یہ لفظ استعمال نہیں کرتا ہے جس وقت یہ لفظ استعمال ہوتے تھے اس وقت اردو دکنی، پوربی، پنجابی اور ہند بھاشا میں بٹی ہوئی تھی۔

اس ضمن میں سفیل، مچکر، مجاز، شیر، فوق البھڑک، برتا چنبل سہی ــــ اور اسی قسم کے کئی لفظ درج کئے گئے ہیں۔ انشار کی یہ بات یا دعوی ہمارے سلئے قابل تسلیم نہیں ہے۔ اس سلئے کہ آج بیشتر ، ان پڑھ، جاہل اور دیہاتی بھی فصیل کی جگہ سفیل

مستحضر کی جگہ منضر، مزاج کی جگہ مجاز، شعر کی جگہ خیر بر قع کی جگہ برقا، چیز کی جگہ چیس اور صحیح کی جگہ سہی ادا نہیں کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے فصیح ہونے میں ہمیں شبہ ہے۔ ہاں یہ ضرور ہوا ہوگا کہ انشاء کے زمانے میں، یہ الفاظ۔ محض تلفظ کی خرابیوں اور علاقوں کے فرق کے باعث یوں ادا ہوتے ہوں لیکن اس دور میں بھی کسی اہل زبان نے ان کو یوں استعمال نہیں کیا جس طرح کہ انشائے نے پیش کیا ہے۔ اگر یہ بات قرین قیاس ہو تو انشاء جیسا ادیب اس کی مثالیں اساتذہ کے کلام سے دیئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

مجھے امید ہے کہ دریائے لطافت کے پڑھنے والے مترجم کی ان معروضات پر اعتراض کرنے کی بجائے غور و فکر سے کام لیں گے۔ مترجم نے جتنی باتیں نظر انداز کی ہیں۔ وہ یقیناً اس قابل تھیں کہ انھیں نظر انداز کر دیا جائے۔ محض اس وجہ سے کہ انہیں انشاء جیسے مسلم الثبوت صاحب کلام، اور زباں داں نے لکھا ہے۔ اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانا ایک گھناؤنی قسم کی روایت پرستی ہے۔ اس روایت پرستی کے باعث زبان نہ تو پھولتی ہے نہ پنپ سکتی ہے۔ اس کو آگے بڑھانے کے لئے ہمیں محض افکار عالیہ ہی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اجتہاد سے بھی کام لینا چاہیے۔ (مترجم)